احمدیت کا پیغام

از
سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانیؓ

احمدیت

کا

پیغام

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

احمدیت کا پیغام

تصنیف: حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

Ahmadiyyat ka Paighaam
(Urdu)

Hazrat Mirza Bashir-ud-Din-Mahmud Ahmad,
Khalifatul-Masih II, Allah be pleased with him

First published in 1917
Several editions published since
Fourteenth edition printed in India, 2012
(ISBN: 978-81-7912-343-0)
Fifteenth edition printed in UK, 2019

© Islam International Publications Ltd.

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey UK, GU9 9PS

Printed in the UK at:
Raqeem Press, Farnham, Surrey

For further information, please visit www.alislam.org

Cover designed by Farhan Naseer

ISBN: 978-1-84880-191-2
10 9 8 7 6 5 4 3 2 1

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس زمانہ میں جماعت احمدیہ مسلمہ ہی حقیقی اسلام کی علمبردار اور دنیا کے کونے کونے میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام میں مصروف ہے۔ مخالفین احمدیت اور فتنہ پرداز عناصر عام مسلمانوں کو جماعت احمدیہ کے عقائد کے بارہ میں غلط فہمیوں میں مبتلاء کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے عقائد و تعلیمات سے مکمل طور پر واقف ہونا ہم سب کے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ دوسروں تک حقیقی اسلام کا پیغام احسن رنگ میں پہنچا سکیں۔

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 'احمدیت کا پیغام' کے عنوان سے یہ مختصر تصنیف ۱۹۴۸ میں رقم فرمائی جس میں احمدیت سے متعلق اس بنیادی سوال کہ 'احمدیت کیا ہے اور کس غرض سے اس کو قائم کیا گیا ہے؟' کا جواب تحریر فرمایا ہے جس میں نہایت ہی آسان پیرایہ میں جماعت احمدیہ کے عقائد کا تعارف کروایا گیا ہے۔ حضورؓ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں اور نہ ہی احمدیوں کا کوئی الگ کلمہ ہے، نیز ختم نبوت، ملائک، نجات، احادیث، تقدیر، جہاد جیسے مسائل کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا نقطہء نظر بیان فرمایا۔

امسال یہ کتاب انگلستان سے طبع کی جارہی ہے۔ ہماری نئی نسل، نومبائعین اور زیر تبلیغ احباب کے لئے یہ مختصر کتاب نہایت مفید ہے۔ امید ہے کہ احباب اس سے خود بھی استفادہ فرمائیں گے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لئے دیں گے۔

منیر الدین شمس
ایڈیشنل وکیل التصنیف
فروری 2019

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں	3
2	ختم نبوّت کے متعلق احمدیوں کا عقیدہ	9
3	قرآن کریم	10
4	احمدیوں کا فرشتوں کے متعلق عقیدہ	11
5	نجات کے متعلق احمدیوں کا عقیدہ	13
6	احمدیوں کا احادیث پر ایمان	15
7	احمدیوں کا تقدیر کے متعلق عقیدہ	18
8	احمدیوں کا جہاد کے متعلق عقیدہ	19
9	نئی جماعت بنانے کی وجہ	21
10	جماعت احمدیہ کا پروگرام	29
11	احمدیوں کو دوسری جماعتوں سے علیحدہ رکھنے کی وجہ	31

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خُدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

احمدیت کا پیغام

احمدیت کیا ہے اور کِس غرض سے اس کو قائم کیا گیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو بہت سے واقفوں اور ناواقفوں کے دِلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ واقفوں کا مطالعہ زیادہ گہرا ہوتا ہے اور ناواقفوں کے سوالات بہت سطحی ہوتے ہیں۔ بوجہ عدمِ علم کے بہت سی باتیں وہ اپنے خیال سے ایجاد کر لیتے ہیں اور بہت سی باتوں پر لوگوں سے سُن سُنا کر یقین کر لیتے ہیں۔ مَیں پہلے انہی لوگوں کی واقفیّت کے لئے کچھ باتیں کہنی چاہتا ہوں جو عدمِ علم اور ناواقفیّت کی وجہ سے احمدیّت کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیوں میں مُبتلا ہیں۔

احمدیّت کوئی نیا مذہب نہیں

اِن ناواقفوں میں سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ احمدی لوگ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل نہیں اور احمدیّت ایک نیا مذہب ہے یہ لوگ یا تو بعض دوسرے لوگوں کے بہکانے سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں یا اُن کے دماغ یہ خیال کر کے کہ احمدیّت ایک مذہب ہے اور ہر مذہب کے لئے کسی کلمہ کی ضرورت ہے، سمجھ لیتے ہیں کہ احمدیوں کا بھی کوئی نیا کلمہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ احمدیّت کوئی نیا مذہب ہے اور نہ

مذہب کے لئے کسی کلمہ کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر مَیں یہ کہتا ہوں کہ کلمہ اسلام کے سوا کسی مذہب کی علامت نہیں۔جس طرح اسلام دوسرے مذاہب سے اپنی کتاب کے لحاظ سے ممتاز ہے، اپنے نبی کے لحاظ سے ممتاز ہے، اپنی عالمگیری کے لحاظ سے ممتاز ہے اسی طرح اِسلام دوسرے مذاہب سے کلمہ کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے ،دوسرے مذاہب کے پاس کتابیں ہیں مگر کلام اللہ سوائے مسلمانوں کے کسی کو نہیں ملا۔کتاب کے معنی صرف مضمون کے ہیں، فرائض کے ہیں، احکام کے ہیں، لیکن کتاب کے مفہوم میں ہرگز یہ بات شامل نہیں کہ اس کے اندر بیان شدہ مضمون کا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہومگر اسلامی کتاب کا نام کلام اللہ رکھا گیا یعنی اس کا ایک ایک لفظ بھی خدا تعالیٰ کا بیان کردہ ہے جس طرح اس کا مضمون خدا تعالیٰ کا بیان کردہ ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی کتاب کا مضمون وہی تھا جو خُدا تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا۔حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی وہ تعلیم جو دُنیا کے سامنے وہ پیش کرتے تھے وہی تھی جو خدا تعالیٰ نے اُن کو دی تھی لیکن ان لفظوں میں نہ تھی جو خدا تعالیٰ نے استعمال فرمائے تھے۔تورات، انجیل اور قرآن کو پڑھنے والا اگر اس مضمون کی طرف اس کی توجہ کو پھیر دیا جائے تو دس۱۰ منٹ کے مطالعہ کے بعد ہی یہ فیصلہ کرلے گا کہ تورات اور انجیل کے مضامین خواہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اُن کے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور اسی طرح وہ یہ بھی فیصلہ کرلے گا کہ قرآن کریم کے مضامین بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اس کے الفاظ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔یا یُوں کہہ لو کہ ایک ایسا شخص جو قرآن کریم، تورات اور انجیل پر ایمان نہیں رکھتا اِن تینوں کتابوں کا چند منٹ مطالعہ کرنے کے بعد اِس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہوگا کہ تورات اور انجیل کو پیش کرنے والے گو اس بات

کے مدّعی ہیں کہ یہ دونوں کتب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن اس بات کے ہرگز مدّعی نہیں کہ ان دونوں کتب کا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کا بولا ہوا ہے مگر قرآن کریم کے متعلق وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ اس کا پیش کرنے والا نہ صرف اس بات کا دعویدار ہے کہ قرآن کریم کا مضمون خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے بلکہ اس بات کا بھی دعویدار ہے کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنا نام علاوہ کتاب اللہ کے کلام اللہ بھی رکھا ہے لیکن تورات و انجیل نے اپنا نام کلام اللہ نہیں رکھا، نہ قرآن کریم نے اُن کو کلام اللہ کہا ہے۔ پس مسلمان ممتاز ہے دوسرے مذاہب سے اس بات میں کہ دوسرے مذاہب کی مذہبی کتابیں کتاب اللہ تو ہیں لیکن کلام اللہ نہیں، لیکن مسلمانوں کی کتاب نہ صرف یہ کہ کتاب اللہ ہے بلکہ کلام اللہ بھی ہے۔

اِسی طرح سب ہی مذاہب کی ابتداء انبیاء کی ذات سے ہوئی ہے لیکن کوئی مذہب بھی ایسا نہیں جس نے ایسے نبی کو پیش کیا ہو جو تمام امورِ دینیہ کی حکمتوں کو بیان کرنے کا مدّعی ہو اور جسے بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کیا گیا ہو۔ عیسائیت جو سب سے قریب کا مذہب ہے وہ تو مسیحؑ کو ابن اللہ قرار دے کر اس قابل ہی نہیں چھوڑتی کہ اِس کے نقشِ قدم پر کوئی انسان چلے کیونکہ انسان خدا جیسا نہیں ہوسکتا۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بطور اُسوۂ حسنہ کے پیش نہیں کرتی۔ نہ تورات اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام کو مذہبی حکمتوں کے بیان کرنے کا ذمّہ دار قرار دیتی ہے لیکن قرآن کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے **وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**[1] یہ نبی تمہیں احکامِ الٰہیہ اور اُن کی حکمتیں بتاتا ہے۔ پس اسلام ممتاز ہے اس

[1] بقرہ:۱۵۲

بات میں کہ اس کا نبی دنیا کے لئے اُسوۂ حَسنہ بھی ہے اور جبر سے اپنے احکام نہیں منواتا بلکہ جب کوئی حکم دیتا ہے تو اپنے اتباع کے ایمانوں کو مضبوط کرنے اور اُن کے جوش کو زیادہ کرنے کے لئے یہ بھی بتاتا ہے کہ اس نے جو احکام دیئے ہیں اُن کے اندر ملّت، افرادِ اُمّت اور باقی بنی نوع انسان کے لئے کیا کیا فوائد مخفی ہیں اسی طرح اسلام ممتاز ہے دوسرے مذاہب سے اپنی تعلیم کے لحاظ سے۔ اسلام کی تعلیم چھوٹے اور بڑے، غریب اور امیر، عورت اور مرد، مشرقی اور مغربی، کمزور اور طاقتور، حاکم اور رعایا، آقا اور مزدور، خاوند اور بیوی، ماں باپ اور اولاد، بائع و مُشتری ہمسائے اور مسافر سب کے لئے راحت، امن اور ترقّی کا پیغام ہے۔ وہ بنی نوع انسان میں سے کسی گروہ کو اپنے خطاب سے محروم نہیں کرتی۔ وہ اگلی اور پچھلی تمام اقوام کے لئے ایک ہدایت نامہ ہے جس طرح عالم الغیب خدا کی نظر پتّھروں کے نیچے پڑے ہوئے ذرّوں پر بھی پڑتی ہے اور آسمان میں چمکنے والے ستاروں پر بھی۔ اسی طرح مسلمانوں کی مذہبی تعلیم غریب سے غریب اور کمزور سے کمزور انسانوں کی ضرورتوں کو بھی پُورا کرتی ہے اور امیر سے امیر اور قوی سے قوی انسانوں کی احتیاجوں کو بھی دور کرتی ہے۔ غرض اسلام صرف گزشتہ مذاہب کی ایک نقل نہیں بلکہ وہ مذہب کی زنجیر کی آخری کڑی اور نظامِ روحانی کا سورج ہے اور اُس کی کسی بات سے دوسرے مذہب کا قیاس کرنا درست نہیں۔ مذہب کے نام میں بیشک سب شریک ہیں، اسی طرح جس طرح ہیرا اور کوئلہ کاربن کے نام میں شریک ہیں لیکن ہیرا ہیرا ہی ہے اور کوئلہ کوئلہ ہی ہے۔ جس طرح پتّھر کا نام کنکریلے پتّھر اور سنگِ مرمر دونوں پر بولا جا سکتا ہے لیکن کنکریلا پتّھر کنکریلا پتّھر ہی ہے اور سنگِ مرمر سنگِ مرمر ہی ہے پس یہ خیال کر لینا کہ چونکہ اسلام میں کلمہ پایا جاتا ہے اس لئے باقی مذاہب کا بھی کلمہ ہوتا ہوگا یہ محض نا

واقفیت ہے اور قرآن کریم پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ بعض لوگوں نے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰہِ ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰہِ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰہ کے کلمات بھی پیش کر دیئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ پہلے مذاہب کے کلمے ہیں حالانکہ تورات اور انجیل اور عیسائی لٹریچر میں ان کلموں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ۔ مسلمانوں میں آج ہزاروں خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں لیکن کیا وہ اپنا کلمہ بُھول گئے ہیں؟ پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ عیسائی اور یہودی اپنا کلمہ بھول گئے ہیں ۔ اگر وہ اپنا کلمہ بھول گئے ہیں اور ان کی کتابوں سے بھی یہ کلمے غائب ہو گئے ہیں تو مسلمانوں کو یہ کلمے کس نے بتائے ہیں ۔ حق یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور نبی کا کلمہ نہیں تھا ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیّتوں میں سے ایک خصوصیّت یہ بھی ہے کہ سارے نبیوں میں سے صرف آپؐ کو کلمہ ملا ہے اور کسی نبی کو کلمہ نہیں ملا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ میں اقرارِ رسالت کو اقرارِ توحید کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور اقرارِ توحید ایک دائمی صداقت ہے وہ کبھی مٹ نہیں سکتی ۔ چونکہ پہلے نبیوں کی نبوّت کے زمانہ نے کسی نہ کسی وقت ختم ہو جانا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے ان میں سے کسی نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر نہیں بیان کیا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت نے چونکہ قیامت تک چلتے چلے جانا تھا اور آپؐ کا زمانہ کبھی ختم نہیں ہونا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی رسالت اور آپؐ کے نام کو کلمۂ توحید کے ساتھ ملا کر بیان کیا تا دُنیا کو یہ بتا دے کہ جس طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کبھی نہیں مٹے گا اسی طرح مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی کبھی نہیں مٹے گا ۔ تعجّب ہے کہ یہودی نہیں کہتا کہ موسیٰ علیہ السّلام کا کوئی کلمہ تھا ۔ عیسائی نہیں کہتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی کلمہ تھا ۔ صابی نہیں کہتا کہ ابراہیم علیہ السّلام کا

کوئی کلمہ تھا لیکن مسلمان جس کے نبی کی کلمہ خصوصیّت تھا جس کے نبی کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ سے ممتاز کیا تھا، جس کو کلمہ کے ذریعہ سے دوسری قوموں پر فضیلت دی گئی وہ بڑی فراخ دِلی سے اپنے نبی کی اِس فضیلت کو دوسرے نبیوں میں بانٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور جبکہ ان نبیوں کی اپنی اُمّتیں کسی کلمہ کی دعویدار نہیں ۔ یہ اُن کی طرف سے کلمے بنا کر آپ پیش کر دیتا ہے کہ یہودیوں کا یہ کلمہ تھا اور ابراہیمیوں کا یہ تھا اور عیسائیوں کا یہ کلمہ تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہر مذہب کے لئے کلمہ کا ہونا ضروری نہیں۔ اگر ضروری ہوتا تب بھی احمدیّت کا کوئی نیا کلمہ نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ احمدیّت کوئی نیا مذہب نہیں۔ احمدیّت صرف اِسلام کا نام ہے۔ احمدیّت اسی کلمہ پر ایمان رکھتی ہے جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ یعنی

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

احمدیوں کے نزدیک اس مادی جہان کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے جس کی قوّتوں اور طاقتوں کی کوئی اِنتہاء نہیں۔ جو ربّ ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے، مالکِ یوم الدّین ہے۔ اُس کے اندر وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں اور وہ اُن تمام باتوں سے منزّہ ہے جن باتوں سے قرآن کریم نے اُسے منزّہ قرار دیا ہے اور احمدیوں کے نزدیک محمّدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطّلب قرشی مکّی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے اور سب سے آخری شریعت آپؐ پر نازل ہوئی۔ آپؐ عجمی اور عربی، گورے اور کالے، تمام اقوام اور تمام نسلوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ آپؐ کا زمانہ نبوّت اِدعائے بنوّت سے لے کر اُس وقت تک ممتد ہے جب تک کہ دنیا کے پردہ پر کوئی متنفّس زندہ ہے، آپؐ کی تعلیم ہر انسان کے لئے واجبُ العمل ہے اور کوئی انسان ایسا

نہیں جس پر حُجّت تمام ہوگئی ہو اور وہ آپؐ پر ایمان نہ لایا ہو اور وہ خدائی عذاب کا مستحق نہ ہو۔ ہر ایک شخص جس تک آپؐ کا نام پہنچا اور جس کے سامنے آپؐ کی صداقت کے دلائل بیان کئے گئے وہ مکلّف ہے آپؐ پر ایمان لانے کے لئے اور بغیر آپؐ پر ایمان لائے وہ نجات کا حقدار نہیں اور سچّی پاکیزگی محض آپؐ ہی کے نقشِ قدم پر چل کر حاصل ہوسکتی ہے۔

احمدیوں کے متعلق بعض شکوک کا ازالہ

ختمِ نبوّت کے متعلق احمدیوں کا عقیدہ

مذکورہ بالا ناواقف گروہ میں سے بعض لوگ یہ خیال بھی کرتے ہیں کہ احمدی ختمِ نبوّت کے قائل نہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین نہیں مانتے۔ یہ محض دھوکے اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ جب احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمۂ شہادت پر یقین رکھتے ہیں تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ ختمِ نبوّت کے مُنکر ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین نہ مانیں۔ قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[1] محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی جوان مرد کے باپ نہ ہیں نہ آئندہ ہوں گے لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیّین ہیں، قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا آدمی اِس آیت کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔ پس احمدیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ خاتم النبیّین نہیں تھے۔ جو کچھ احمدی کہتے ہیں وہ صرف یہ

[1] احزاب: ۴۱

ہے کہ خاتم النّبیّین کے وہ معنی جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہیں نہ تو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت پر چسپاں ہوتے ہیں اور نہ اُن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت اورشان اُس طرح ظاہر ہوتی ہے جس عزّت اور شان کی طرف اِس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور احمدی جماعت خاتم النّبیّین کے وہ معنی کرتی ہے جو عربی لُغت میں عام طور پر متداول ہیں اور جن معنوں کی حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہؓ تائید کرتے ہیں اور جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپؐ کی منزلت بہت بڑھ جاتی ہے اور تمام بنی نوعِ انسان پر آپؐ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ پس احمدی ختمِ نبوّت کے منکر نہیں بلکہ ختم نبوّت کے ان معنوں کے منکر ہیں جو عام مسلمانوں میں موجودہ زمانہ میں غلطی سے رائج ہو گئے ہیں ورنہ ختم نبوّت کا انکار تو کُفر ہے اور احمدی خدا تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہیں اور اِسلام پر چلنا ہی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔

قرآن کریم

انہی ناواقف لوگوں میں سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ احمدی قرآن شریف پر پُورا ایمان نہیں رکھتے بلکہ صرف چند سیپاروں کو مانتے ہیں چنانچہ مجھے حال میں کوئٹہ میں درجنوں آدمیوں نے مل کر بتایا کہ ہمیں علماء نے بتایا ہے کہ احمدی سارے قرآن کو نہیں مانتے یہ بھی ایک اتہام ہے جو احمدیّت کے دشمنوں نے احمدیّت پر لگایا ہے۔ احمدیّت قرآن کریم کو ایک نہ تبدیل ہونے والی اور نہ منسوخ ہونے والی کتاب قرار دیتی ہے۔ احمدیّت بِسمِ اللہ کی ب سے لے کر والنّاس کے س تک ہر ایک حرف اور

ہر ایک لفظ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتی اور قابل عمل تسلیم کرتی ہے۔

احمدیوں کا فرشتوں کے متعلق عقیدہ

انہی ناواقف لوگوں میں سے بعض لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ احمدی فرشتوں اور شیطان کے قائل نہیں یہ الزام بھی محض اتّہام ہے۔فرشتوں کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے اور شیطان کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے ۔جن چیزوں کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے،قرآن کریم پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے ان چیزوں کا انکار احمدیّت کر ہی کس طرح سکتی ہے ۔ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے فرشتوں پر پُورا ایمان رکھتے ہیں بلکہ احمدیت سے جو برکات ہمیں حاصل ہوئی ہیں اُن کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ہم فرشتوں پر ایمان لاتے ہیں بلکہ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ فرشتوں کے ساتھ قرآن کریم کی مدد سے تعلق بھی پیدا کیا جا سکتا ہے اور اُن سے علوم رُوحانیہ بھی سیکھے جا سکتے ہیں۔

خود راقم الحروف نے کئی علوم فرشتوں سے سیکھے۔ مجھے ایک دفعہ ایک فرشتہ نے سُورۂ فاتحہ کی تفسیر پڑھائی اور اُس وقت سے لے کر اِس وقت تک سُورۂ فاتحہ کے اس قدر مطالب مجھ پر کھلے ہیں کہ اُن کی حد ہی کوئی نہیں اور میرا دعوٰی ہے کہ کسی مذہب وملّت کا آدمی روحانی علوم میں سے ِکسی مضمون کے متعلق بھی جو کچھ اپنی ساری کتاب میں نکال سکتا ہے اس سے بڑھ کر مضامین خدا تعالیٰ کے فضل سے مَیں صرف سورۂ فاتحہ سے نکال سکتا ہوں ۔مُدّتوں سے میں دنیا کو یہ چیلنج دے رہا ہوں مگر آج تک کسی نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت،توحید الٰہی کا ثبوت،رسالت اوراس کی ضرورت،شریعتِ کاملہ کی علامات اور بنی نَوعِ انسان کے لئے اس کی ضرورت،دُعا،تقدیر،حَشر ونشر،جنّت و

دوزخ۔ ان تمام مضامین پر سورۂ فاتحہ سے ایسی روشنی پڑتی ہے کہ دوسری کتب کے سینکڑوں صفحات بھی اتنی روشنی انسان کو نہیں پہنچاتے ۔پس فرشتوں کے انکار کا تو کوئی سوال ہی نہیں احمدی تو فرشتوں سے فائدہ اٹھانے کا بھی مدّعی ہے باقی رہا شیطان۔سو شیطان تو ایک گندی چیز ہے اس پر ایمان لانے کا تو سوال ہی کوئی نہیں۔ہاں اس کے وجود کا علم ہمیں قرآن کریم سے حاصل ہوتا ہے اور ہم اس کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے ذمّہ یہ کام لگایا ہے کہ ہم شیطان کی طاقت کو توڑیں اور اس کی حکومت کو مٹائیں۔شیطان کو بھی مَیں نے خواب میں دیکھا ہے اور ایک دفعہ تو مَیں نے اس سے کُشتی بھی کی ہے اور خدائے تعالیٰ کی مدد سے اور کلماتِ تعوّذ کی برکت سے اس کو شکست بھی دی ہے،اور ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ جس کام کے لئے تم مقرّر کئے جاؤ گے اس کے رستہ میں شیطان اور اسکی اولاد بہت سی روکیں ڈالے گی تم اس کی روکوں کی پرواہ نہ کرنا اور یہ فقرہ کہتے ہوئے بڑھتے چلے جانا کہ ’’خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ‘‘ تب مَیں اس جہت کو چلا جس جہت کی طرف جانے کا خدا تعالیٰ نے مجھے ارشاد فرمایا تھا اور مَیں نے دیکھا کہ شیطان اور اس کی اولاد مختلف طریق سے مجھے دھمکانے اور ڈرانے کی کوشش کرنے لگی۔بعض جگہ پر صرف سر ہی سر سامنے آ جاتے تھے اور مجھے ڈرانے کی کوشش کرتے تھے بعض جگہ خالی دھڑ آ جاتے تھے ۔ بعض جگہ شیطان شیروں اور چیتوں کی شکل بدل کر یا ہاتھیوں کی شکل بدل کر آتا تھا مگر الٰہی حکم کے ماتحت میں نے اس کی طرف کوئی توجّہ نہ کی اور یہی کہتے ہوئے بڑھتا چلا گیا کہ ’’خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ،خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ‘‘ جب کبھی مَیں یہ فقرہ پڑھتا تھا شیطان اور اس کی اولاد بھاگ جاتی تھی اور میدان صاف ہو جاتا تھا مگر تھوڑی

دیر کے بعد وہ پھر ایک نئی شکل اور نئی صورت میں میرے سامنے آتا تھا۔ مگر اس دفعہ بھی یہی حربہ اس کے مٹانے میں کامیاب ہوجاتا تھا حتّٰی کہ منزلِ مقصود آ گئی اور شیطان کُلّی طور پر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسی رؤیا کی بنا پر میں اپنی تمام اہم تحریروں پر سرِ نامہ سے اُوپر ’’خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ‘‘ کا فقرہ لکھا کرتا ہوں۔ پس ہم ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں اور شیطان کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ احمدی لوگ مُعجزات کے مُنکر ہیں۔ یہ بھی واقعات کے خلاف ہے۔ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُعجزات تو الگ رہے ہم تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچّے اتباع کو بھی اللہ تعالیٰ معجزات عطا فرماتا ہے۔ قرآن کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُعجزات سے بھرا ہوا ہے اور ان کا انکار صرف ایک اَزلی اور ابدی اَندھا ہی کرسکتا ہے۔

نجات کے متعلق احمدیوں کا عقیدہ

بعض لوگ احمدیت کے متعلق اِس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ احمدیہ عقیدہ کی رُو سے احمدیوں کے سوا باقی تمام لوگ جہنمی ہیں۔ یہ بھی محض ناواقفیّت یا دشمنی کا نتیجہ ہے۔ ہمارا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ احمدیوں کے سوا باقی تمام لوگ جہنّمی ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی احمدی ہو لیکن وہ جہنمی ہوجائے جس طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی احمدی نہ ہو اور وہ جنّت میں چلا جائے کیونکہ جنّت صرف منہ کے اقرار کا نتیجہ نہیں۔ جنّت بہت سی ذمّہ داریوں کو پورا کرنے کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ اسی طرح دوزخ صرف منہ کے انکار کا نتیجہ نہیں بلکہ دوزخ کا شکار بننے کے لئے بہت سی شرطیں ہیں۔ کوئی انسان دوزخ میں نہیں جا

سکتا جب تک اُس پر حجّت تمام نہ ہو۔خواہ وہ بڑی سے بڑی صداقت کا مُنکر ہی کیوں نہ ہو۔خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بچپن میں مر جانے والے یا بلند پہاڑوں میں رہنے والے یا جنگلوں میں رہنے والے یا اتنے بڈھے جن کی سمجھ ماری گئی ہو یا پاگل جو عقل سے کورے ہوں ان لوگوں سے مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف دوبارہ نبی مبعوث فرمائے گا اور اُن کو سچ اور جھوٹ کے پہچاننے کا موقع دیا جائے گا تب جس پر حُجّت تمام ہوگی وہ دوزخ میں جائے گا اور جو ہدایت قبول کرے گا وہ جنّت میں جائے گا۔پس یہ غلط ہے کہ احمدیوں کے نزدیک ہر وہ شخص جو احمدیّت میں داخل نہیں ہوتا دوزخی ہے۔نجات کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر وہ شخص جو صداقت کے سمجھنے سے گریز کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ صَداقت اس کے کان میں نہ پڑے تاکہ اسے ماننی نہ پڑے یا جس پر حُجّت تمام ہو جائے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہے لیکن ایسے شخص کو بھی اگر خدا تعالیٰ چاہے تو معاف کر سکتا ہے اس کی رحمت کی تقسیم ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ایک غلام اپنے آقا کو سخاوت سے باز نہیں رکھ سکتا۔خدا تعالیٰ ہمارا آقا ہے اور ہمارا بادشاہ ہے اور ہمارا خالق ہے اور ہمارا مالک ہے۔اگر اس کی حکمت اور اس کا علم اور اس کی رحمت کسی ایسے شخص کو بھی بخشنا چاہے جس کی عام حالات کے مطابق بخشش ناممکن نظر آتی ہو تو ہم کون ہیں جو اُس کے ہاتھ کو روکیں اور ہم کون ہیں جو اُس کو بخشش سے باز رکھیں۔

نجات کے متعلق تو احمدیّت کا عقیدہ اتنا وسیع ہے کہ اس کی وجہ سے بعض مولویوں نے احمدیوں پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے یعنی ہم لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کوئی انسان بھی دائمی عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا، نہ مومن نہ کافر۔کیونکہ قرآن کریم میں اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ [1] میری رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہؤا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ [2] کافر اور دوزخ کی آپس کی نسبت ایسی ہی ہوگی جیسے عورت اور اس کے بچّہ کی ہوتی ہے اور پھر فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [3] تمام جِنّ و اِنس کو مَیں نے اپنا عبد بنانے کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان اور ایسی ہی بہت سی آیات کے ہوتے ہوئے ہم کیوں کر مان سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رحمت آخر دوزخیوں کو نہیں ڈھانپ لے گی اور دوزخی جہنّم کے رحم سے کبھی بھی خارج نہ ہوگا اور وہ بندے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنا عبد بنانے کے لئے پیدا کیا تھا وہ دائمی طور پر شیطان کے عبد رہیں گے اور خدا تعالیٰ کے عبد نہیں بنیں گے اور خدا تعالیٰ کی محبّت بھری آواز کبھی بھی اُن کو مخاطب کر کے یہ نہیں کہے گی کہ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ [4] آؤ میرے بندوں میں داخل ہو کر میری جنّت میں داخل ہو جاؤ!

احمدیوں کا احادیث پر ایمان

بعض لوگ اِس وہم میں مبتلا ہیں کہ احمدی حدیثوں کو نہیں مانتے اور بعض لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ احمدی ائمّہ فقہاء کو نہیں مانتے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احمدیّت تقلید

[1] اعراف: ۱۵۷

[2] القارعۃ: ۱۰

[3] الذّٰریٰت: ۵۷

[4] الفجر: ۳۰، ۳۱

وعدمِ تقلید کے مسئلہ میں بَین بَین راہ اختیار کرتی ہے۔ احمدیّت کی تعلیم یہ ہے کہ جو بات محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس کے بعد کسی اور انسان کی آواز کو سننا محمد رسول اللہؐ کی ہتک ہے۔ آقا کے ہوتے ہوئے کسی غلام کی آواز نہیں سنی جاسکتی۔ اُستاد کی موجودگی میں کسی شاگرد سے سبق نہیں لیا جاسکتا۔ آئمہ فقہاء خواہ کتنے بڑے ہوں بہرحال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اُن کی تمام عزّت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں تھی اور اُن کی تمام شان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں تھی۔ پس جب کوئی بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ قول جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جائے قرآن کریم کے مطابق ہو تو وہ بات ایک آخری فیصلہ ہے، ایک نہ ٹلنے والا حکم ہے اور کوئی شخص اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ اس حکم کو ردّ کر دے یا اس کے خلاف زبان کھولے لیکن چونکہ حدیث کے راوی انسان ہیں اور ان میں نیک بھی ہیں اور بد بھی ہیں اور اچھے حافظوں والے بھی ہیں اور بُرے حافظوں والے بھی ہیں اور اچھے ذہن والے بھی ہیں اور کند ذہن والے بھی ہیں۔ اگر کوئی ایسی حدیث ہو جس کا مفہوم قرآن کریم کے خلاف ہو تو چونکہ ہر ایک حدیث قطعی نہیں بلکہ خود آئمہ حدیث کے مسلّمات کے مطابق بعض حدیثیں قطعی ہیں اور بعض عام درجہ کی ہیں بعض مشکوک اور ظنّی ہیں اور بعض وضعی ہیں اس لئے قرآن کریم جیسی قطعی کتاب کے مقابلہ میں جو حدیث آجائے گی اُس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا مگر جہاں قرآن کریم کی بھی کوئی نصِّ صریح موجود نہ ہو اور حدیث بھی ایسے ذرائع سے ثابت نہ ہو جو یقین اور قطعیت تک پہنچاتے ہوں یا حدیث کے الفاظ ایسے ہوں کہ اُن سے کئی معنے نکل سکتے ہوں تو اس وقت یقیناً آئمہ فقہاء جنہوں نے اپنی

عمریں قرآن کریم اور احادیث پر غور اور تدبر کرنے میں صرف کر دی ہیں اجتہاد کرنے کے مستحق ہیں اور ایک عام آدمی جس نے نہ قرآن پر غور کیا ہے نہ حدیث پر غور کیا ہے یا جس کا علم اور تفقّہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ وہ غور کر سکے، اس کا حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ امام ابوحنیفہؒ یا امام احمدؒ یا امام شافعیؒ یا امام مالکؒ یا دوسرے آئمّہ دین کو کیا حق ہے کہ اُن کی بات کو مجھ سے زیادہ وزن دیا جائے۔ مَیں بھی مسلمان ہوں اور وہ بھی مسلمان۔ اگر ایک عام آدمی اور ایک ڈاکٹر کا مرض کے متعلق اختلاف ہو تو ایک ڈاکٹر کی رائے کو عام کی رائے پر ترجیح دی جاتی ہے اور قانون میں اختلاف ہو تو ایک وکیل کی رائے کو غیر وکیل کی رائے پر ترجیح دی جاتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ دینی معاملات میں ان آئمّہ کی رائے کو ترجیح نہ دی جائے جنہوں نے اپنی عمریں قرآن کریم اور حدیث پر تدبر کرنے پر صرف کر دی ہوں اور جن کے ذہنی قوٰی بھی دوسرے لاکھوں آدمیوں سے اچھے ہوں اور جن کے تقویٰ اور جن کی طہارت پر خدائی سلوک نے مُہر لگا دی ہو۔ غرض احمدیّت نہ کُلّی طور پر اہل حدیث کی بات کی تائید کرتی ہے نہ کُلّی طور پر مقلّدین کی تائید کرتی ہے۔ احمدیّت کا سیدھا سادھا عقیدہ اس بارہ میں وہی ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تھا کہ قرآن کریم سب سے مقدّم ہے۔ اس سے اُتر کر احادیثِ صحیحہ ہیں اور اس سے اتر کر ماہرین فن کا استدلال اور اجتہاد ہے۔ اسی عقیدہ کے مطابق احمدی بعض دفعہ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں جس کے معنے یہ بھی ہوتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے جو اصل مذہب کا بیان فرمایا ہے ہم اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور بعض دفعہ احمدی اپنے آپ کو اہل حدیث بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ احمدیّت کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول جب وہ ثابت اور روشن ہو تمام بنی نوع انسان کے اقوال پر فوقیّت رکھتا ہے حتّٰی کہ تمام آئمّہ کے مجموعی اقوال پر بھی فوقیّت رکھتا ہے۔

احمدیوں کا تقدیر کے متعلق عقیدہ

ان غلط فہمیوں میں سے جو ناواقفوں کو جماعت احمدیہ کے متعلق ہیں ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ احمدی لوگ تقدیر کے مُنکر ہیں۔ احمدی لوگ تقدیر کے ہرگز مُنکر نہیں۔ ہم لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر اس دُنیا میں جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی اور اس کی تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ ہم صرف اس بات کے خلاف ہیں کہ چور کی چوری، بے نماز کے ترکِ نماز، جھوٹے کے جھوٹ، دھوکے باز کے دھوکے، قاتل کے قتل اور بدکار کی بدکاری کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے اور اپنے منہ کی سیاہی خدا تعالیٰ کے منہ پر ملنے کی کوشش کی جائے۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اس دینا میں تقدیر اور تدبیر کی دو نہریں ایک وقت میں چلائی ہیں اور بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ[۱] کے ارشاد کے مطابق ان دونوں کے درمیان ایک ایسی حدِّ فاصل مقرّر کر دی ہے کہ یہ کبھی آپس میں ٹکراتی نہیں۔ تدبیر کا میدان اپنی جگہ پر ہے۔ اور تقدیر کا میدان اپنی جگہ پر ہے جن اُمور کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنی تقدیر کو لازم قرار دیا ہے ان میں تدبیر کچھ نہیں کر سکتی اور جن اُمور کے لئے اس نے تدبیر کا رستہ کھولا ہے اُن میں تقدیر پر اُمید لگا کر بیٹھے رہنا اپنے مُستقبل کو خود تباہ کرنا ہے۔ پس ہم جس بات کے مخالف ہیں وہ یہ ہے کہ انسان اپنی بد اعمالیوں کو تقدیر کے پَردہ میں چھپانے کی کوشش کرے اور اپنی سستیوں اور غفلتوں کا جواز تقدیر کے لفظ سے نکالے اور جہاں خدا تعالیٰ نے تدبیر کا حکم دیا ہے وہاں تقدیر پر آس لگائے بیٹھا رہے کیونکہ اس کا نتیجہ ہمیشہ خطرناک نکلتا

---

[۱] الرحمٰن:۲۱

ہے۔ مسلمان خدائی تقدیر پر نظر رکھ کر بیٹھے رہے اور اس جِدّ و جُہد کو انہوں نے ترک کر دیا جو قومی ترقّی کے لئے ضروری ہوتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دین سے تو گئے تھے دُنیا سے بھی گزر گئے۔ اگر وہ اس امر کو مدّ نظر رکھتے کہ جن کاموں کے لئے خدا تعالیٰ نے تدبیر کا دروازہ کھولا ہے ان میں تقدیر کو مدّ نظر رکھنے کی بجائے تدبیر کو مدِّ نظر رکھنا چاہئے تو اُن کی حالت اتنی نہ گرتی اور وہ اتنے زبُوں حال نہ ہوتے جتنے کہ اَب ہیں۔

احمدیوں کا جہاد کے متعلق عقیدہ

احمدیّت کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ احمدی جہاد کے مُنکر ہیں۔ یہ درست نہیں۔ احمدی جہاد کے منکر نہیں۔ احمدیوں کا عقیدہ صرف یہ ہے کہ جنگیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک جہاد اور ایک محض جنگ۔ جہاد صرف اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں مذہب کو بچانے کے لئے لڑائی کی جائے اور ایسے دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے جو مذہب کو تلوار کے زور سے مٹانا چاہتے ہیں اور جو خنجر کی نوک سے عقیدہ تبدیل کروانا چاہتے ہیں، اگر دنیا میں ایسے واقعات ظاہر ہوں تو جہاد ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے مگر ایسے جہاد کے لئے ایک یہ بھی شرط ہے کہ اس جہاد کا اعلان امام کی طرف سے ہونا چاہئے تا مسلمانوں کو معلوم ہو سکے کہ ان میں سے کن کن کو جہاد میں شامل ہونا چاہئے اور کن کن کو اپنی باری کا انتظار کرنا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایسے جہاد کے موقع کے آنے پر جو مسلمان بھی جہاد میں شامل نہ ہو گا وہ گنہگار ہو گا لیکن اگر امام ہو تو وہی مسلمان گنہگار ہو گا جس کو جہاد کے لئے بُلایا جائے اور وہ نہ آئے۔ جب احمدی جماعت کسی ملک میں جہاد کا انکار کرتی تھی تو اس لئے کرتی تھی کہ مذہب کو بزورِ شمشیر بدلوانے کی کوشش انگریز نہیں کر رہے

تھے۔اگر احمدی جماعت کا یہ خیال غلط تھا اور واقعہ میں انگریز شمشیر سے مذہب بدلوانے کی کوشش کررہے تھے تو پھر یقیناً جہاد واجب تھا مگر سوال یہ ہے کہ کیا جہاد کے واجب ہوجانے کے بعد ہر مسلمان نے تلوار اٹھا کر انگریز کا مقابلہ کیا؟ اگر نہیں کیا تو احمدی تو خدا تعالیٰ کو یہ جواب دیں گے کہ ہمارے نزدیک ابھی جہاد کا وقت نہیں آیا تھا اگر ہم نے غلطی کی تو ہماری غلطی اجتہادی تھی لیکن ان کے مخالف مولوی کیا جواب دیں گے؟ کیا وہ یہ کہیں گے کہ اے خدا جہاد کا وقت تو تھا اور ہم یقین رکھتے تھے کہ یہ جہاد کا وقت ہے اور ہم سمجھتے تھے کہ جہاد فرض ہوگیا ہے لیکن اے ہمارے خدا ہم نے جہاد نہیں کیا کیونکہ ہمارے دل ڈرتے تھے اور نہ ہم نے ان لوگوں کو جہاد کے لئے آگے بھجوایا جن کے دل نہیں ڈرتے تھے کیونکہ ہم ڈرتے تھے کہ ایسا کرنے سے بھی انگریز ہم کو پکڑ لیں گے میں یہ فیصلہ مُنصف مزاج لوگوں پر ہی چھوڑتا ہوں کہ ان دونوں جوابوں میں سے کون سا جواب خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہے۔

اب تک تو جو کچھ میں نے کہا وہ ان لوگوں کے وساوس کو دور کرنے کے لئے کہا ہے جو احمدیّت کا سرسری مطالعہ بھی نہیں رکھتے اور جو احمدیّت کے پیغام کو اس کے دشمن سے سنتے یا بغیر احمدیّت کا مطالعہ کرنے کے اپنے دلوں سے احمدیّت کے عقائد اور احمدیّت کی تعلیم بنانا چاہتے ہیں۔اب میں ان لوگوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے احمدیّت کا ایک حد تک مطالعہ کیا ہے اور جو جانتے ہیں کہ احمدی خدا تعالیٰ کی توحید پر یقین رکھتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر بھی یقین رکھتے ہیں، قرآن کریم کو بھی مانتے ہیں، حدیث کو بھی مانتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، حشر ونشر اور جزا و سزا پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔لیکن وہ

حیران ہیں کہ جب احمدی دوسرے مسلمانوں کی طرح مسلمان ہیں تو پھر اس نئے فرقہ کو قائم کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اُن کے نزدیک احمدیوں کا عقیدہ اور احمدیوں کا عمل قابل اعتراض نہیں لیکن اُن کے نزدیک ایک نئی جماعت بنانا قابل اعتراض امر ہے کیونکہ جب فرق کوئی نہیں تو اِفتراق کرنے کی وجہ کیا ہوئی اور جب اختلاف نہیں تو دوسری مسجد بنانے کا مقصد کیا ہوا؟

نئی جماعت بنانے کی وجہ

اس سوال کا جواب دو طرح دیا جا سکتا ہے۔ عقلی طور پر اور روحانی طور پر۔ عقلی طور پر اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جماعت صرف تعداد کا نام نہیں۔ ہزار، لاکھ یا کروڑ افراد کو جماعت نہیں کہتے بلکہ جماعت اُن افراد کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو متحد ہو کر کام کرنے کا فیصلہ کر چکے ہوں اور ایک متحدہ پروگرام کے مطابق کام کر رہے ہوں ایسے افراد اگر پانچ سات بھی ہوں تو جماعت ہے اور جن میں یہ بات نہ ہو وہ کروڑوں بھی جماعت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکّہ میں نبوّت کا دعوٰی کیا تو پہلے دن آپؐ پر صرف چار آدمی ایمان لائے تھے آپؐ پانچویں تھے، باوجود پانچ ہونے کے آپ ایک جماعت تھے مگر مکّہ کی آٹھ دس ہزار کی آبادی جماعت نہیں تھی نہ عرب کی آبادی جماعت تھی۔ کیونکہ نہ اُنہوں نے متحد ہو کر کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور نہ ان کا کوئی متحدہ پروگرام تھا پس اس قسم کا سوال کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا اس وقت مسلمان کوئی جماعت ہیں؟ کیا دنیا کے مسلمان تمام معاملات میں آپس میں مل کر کام کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں یا ان کا کوئی متحدہ پروگرام ہے؟ جہاں تک ہمدردی کا سوال ہے میں مانتا ہوں کہ

مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے متعلق ہمدردی ہے مگروہ بھی سارے مسلمانوں میں نہیں۔ کچھ کے دلوں میں ہے اور کچھ کے دلوں میں نہیں۔ اور پھر کوئی ایسا نظام موجود نہیں جس کے ذریعہ سے اختلاف کو مٹایا جا سکے۔ اختلاف تو جماعت میں بھی ہوتا ہے بلکہ نبیوں کے وقت کی جماعت میں بھی ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بعض دفعہ انصار اور مہاجرین کا اختلاف ہو گیا اور بعض دفعہ بعض دوسرے قبائل میں اختلاف ہو گیا لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا تو اس وقت سب اختلاف مٹ گیا۔ اسی طرح خلافت کے ایّام میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا تھا لیکن جب کوئی اختلاف پیدا ہوتا تو خلفاء فیصلہ کرتے اور وہ اختلاف مٹ جاتا۔ خلافت کے ختم ہونے کے بعد بھی کوئی ستّر سال تک مسلمان ایک حکومت کے نیچے رہے۔ جہاں جہاں بھی مسلمان تھے وہ ایک نظام کے تابع تھے۔ وہ نظام بُرا تھا یا اچھا تھا بہر حال اُس نے مسلمانوں کو ایک رشتہ سے باندھ رکھا تھا۔ اس کے بعد اختلاف ہوا اور مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ سپین کا ایک حلقہ بن گیا اور باقی دنیا کا ایک حلقہ بن گیا۔ یہ اختلاف تو تھا مگر بہت ہی محدود اختلاف تھا۔ دنیا کے مسلمانوں کا بیشتر حصہ پھر بھی ایک نظام کے نیچے چل رہا تھا مگر تین سو سال گزرنے کے بعد یہ انتظام ایسا ٹوٹا کہ تمام مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ان میں تشتّت اور پراگندگی پیدا ہو گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ یَفْشُوا الْکَذِبُ[1] سب سے اچھی صدی میری ہے ان سے اتر کروہ لوگ ہوں گے جو دوسری صدی میں ہوں گے اور ان سے اتر کروہ لوگ ہوں گے جو تیسری

[1] مسلم کتاب الفضائل فی فضل الصحابۃ ثمّ الّذین یلونھم

صدی میں ہوں گے۔ پھر دُنیا میں سے سچّائی مٹ جائے گی اور ظلم وتشدّد اور اختلاف کا دور دورہ ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا اور پھر یہ اختلاف بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ گزشتہ تین صدیوں میں تو مسلمان اپنی طاقت بالکل کھو بیٹھے۔ کُجا وہ وقت تھا کہ یورپ ایک ایک مسلمان بادشاہ سے ڈرتا تھا اور اب یورپ اور امریکہ کی ایک ایک طاقت کا مقابلہ کرنے کی سکت سارے عالم اسلام میں بھی نہیں۔ یہودیوں کی کتنی چھوٹی سی حکومت فلسطین میں بنی ہے۔ شام، عراق، لبنان، سعودی عرب، مصر اور فلسطین کی فوجیں اس کا مقابلہ کر رہی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یو۔ این۔ او نے جو علاقہ یہودیوں کو دیا تھا اس سے بہت زیادہ اس وقت یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ یہ درست ہے کہ یہودی حکومت کی مدد امریکہ اور انگلستان کر رہے ہیں لیکن سوال بھی تو یہی ہے کہ کبھی تو مسلمانوں کی ایک ایک حکومت سارے مغرب پر غالب تھی اور اب مغرب کی بعض حکومتیں سارے مسلمانوں سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ پس جماعت کا جو مفہوم ہے اس وقت اس کے مطابق مسلمانوں کی کوئی جماعت نہیں۔ حکومتیں ہیں جن میں سب سے بڑی پاکستان کی حکومت ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب قائم ہوئی ہے لیکن اسلام پاکستان کا نام نہیں، نہ اسلام مصر کا نام ہے، نہ اسلام شام کا نام ہے، نہ اسلام ایران کا نام ہے، نہ اسلام افغانستان کا نام ہے، نہ اسلام سعودی عرب کا نام ہے، اسلام تو اُس رشتہ وحدت کا نام ہے جس نے سارے مسلمانوں کو یکجا کر دیا تھا اور ایسا کوئی نظام اس وقت دنیا میں موجود نہیں۔ پاکستان کو افغانستان سے ہمدردی ہے افغانستان کو پاکستان سے ہمدردی ہے لیکن نہ پاکستان افغانستان کی ہر بات ماننے کے لئے تیار ہے نہ افغانستان پاکستان کی ہر بات ماننے کے لئے تیار ہے۔ دونوں کی سیاست الگ الگ ہے اور دونوں اپنے اندرونی معاملات

میں آزاد ہیں۔یہی حال افراد کا ہے ۔افغانستان کے باشندے اپنی جگہ پر آزاد ہیں۔ پاکستان کے باشندے اپنی جگہ پر آزاد ہیں۔مصر کے باشندے اپنی جگہ پر آزاد ہیں۔ان کو ایک لڑی میں پرونے والی کوئی چیز نہیں۔پس اس وقت مسلمان بھی ہیں مسلمانوں کی حکومتیں بھی ہیں اوران میں سے بعض حکومتیں خدا تعالیٰ کے فضل سے مضبوط ہورہی ہیں لیکن پھر بھی مسلمان ایک جماعت نہیں۔فرض کرو پاکستان کا بیڑا اتنا مضبوط ہو جائے کہ تمام بحرالہند میں حکومت کرنے لگ جائے۔اس کی فوج اتنی مضبوط ہوجائے کہ ہندوستان یونین اس سے کانپنے لگ جائے۔اس کی اقتصادی حالت اتنی بڑھ جائے کہ دُنیا کی منڈیوں پر اس کا قبضہ ہوجائے بلکہ اس کی اتنی طاقت بڑھ جائے کہ امریکہ کی طاقت سے بھی بڑھ جائے تو کیا ایران ،شام ،فلسطین اور مصر اپنے آپ کو پاکستان میں مدغم کرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔وہ پاکستان کی عظمت کا اقرار کرنے کے لئے تیار ہوں گے وہ اس سے ہمدردی کرنے کے لئے تیار ہوں گے مگر وہ اپنی ہستی کو اس میں مٹا دینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔پس گو خدا تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کی سیاسی حالت بہتر ہورہی ہے اور بعض نئ اسلامی حکومتیں قائم ہورہی ہیں لیکن باوجود اس کے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک اسلامی جماعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ مختلف سیاستوں میں بٹے ہوئے ہیں اور الگ الگ حکومتوں میں تقسیم ہیں۔ان سب کی آواز کو ایک جگہ جمع کرنے والی کوئی طاقت نہیں مگر اسلام تو عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔اسلام عرب کے مسلمانوں کا نام نہیں۔اسلام شام کے مسلمانوں کا نام نہیں۔اسلام ایران کے مسلمانوں کا نام نہیں۔اسلام افغانستان کے مسلمانوں کا نام نہیں۔جب دینا کے ہر ملک کے مسلمان اسلام کے نام کے نیچے جمع ہوجاتے ہیں تو اسلامی جماعت وہی ہوسکتی ہے جو

ان سارے گروہوں کو اکٹھا کرنے والی ہو اور جب تک ایسی جماعت دنیا میں قائم نہ ہو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہم اس وقت مسلمانوں کو کوئی جماعت نہیں گو حکومت ہے اور سیاست ہے۔

اسی طرح متّحدہ پروگرام کا سوال ہے جہاں ایسا کوئی نظام نہیں جو ساری دنیا کے مسلمانوں کو اکٹّھا کر سکے وہاں مسلمانوں کا کوئی متّحدہ پروگرام بھی نہیں نہ سیاسی، نہ تمدّنی نہ مذہبی۔ منفردانہ طور پر کسی کسی جگہ پر کسی مسلمان کا دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کر لینا یہ اور چیز ہے اور متحدہ طور پر ایک مخصوص نظام کے ماتحت چاروں طرف سے دشمن کے حملہ کا جائزہ لے کر اس کے مقابلہ کی کوشش کرنا یہ الگ بات ہے۔ پس پروگرام کے لحاظ سے بھی مسلمان ایک جماعت نہیں۔ ایسی صُورت میں اگر کوئی جماعت قائم ہو اور مذکورہ بالا دونوں مقاصد کو لے کر قائم ہوا تو اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک نئی جماعت قائم ہوگئی ہے بلکہ یُوں کہنا چاہئے کہ پہلے کوئی جماعت نہیں تھی اب ایک جماعت بن گئی ہے۔

میں ان دوستوں سے جن کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود ایک نماز، ایک قبلہ، ایک قرآن اور ایک رسول ہونے کے پھر احمدی جماعت نے الگ جماعت کیوں بنائی، کہتا ہوں کہ وہ اس نکتہ پر غور کریں اور سوچیں کہ اسلام کو پھر ایک جماعت بنانے کا وقت آ چکا ہے اس کام کے لئے کب تک انتظار کیا جائے گا؟ مصر کی حکومت اپنی جگہ پر اپنا کام کر رہی ہے۔ ایران کی حکومت اپنی جگہ پر اپنا کام کر رہی ہے۔ افغانستان کی حکومت اپنی جگہ پر اپنا کام کر رہی ہے۔ دیگر اسلامی حکومتیں اپنی اپنی جگہ پر اپنا اپنا کام کر رہی ہیں لیکن ان کی موجودگی میں بھی ایک خلاء باقی ہے۔ ایک کمی باقی ہے اور اسی خلا اور اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے احمدیہ جماعت قائم ہوئی ہے۔

جب خلافتِ ترُکیہ کو ترکوں نے ختم کر دیا تو مصر کے بعض علماء نے (بعض رازداروں کے قول کے مطابق شاہِ مصر کے اشارہ سے) ایک تحریکِ خلافت شروع کی اور اس تحریک سے ان کا منشاء یہ تھا کہ شاہ مصر کو خلیفۃ المسلمین تصوّر کر لیا جائے اور اس طرح مصر کو دوسرے اسلامی ممالک پر فوقیّت حاصل ہو جائے۔ سعودی عرب نے اس کی مخالفت شروع کی اور یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہ تحریک انگریزوں کی اٹھائی ہوئی ہے اگر کوئی شخص خلافت کا مستحق ہے تو وہ سعودی عرب کا بادشاہ ہے۔ جہاں تک خلافت کا تعلق ہے وہ یقیناً ایک ایسا رشتہ ہے جس سے سب مسلمان اکٹھے ہو سکتے ہیں لیکن جب یہ خلافت کا لفظ کسی خاص بادشاہ کے ساتھ مخصوص ہونے لگا تو دوسرے بادشاہوں نے فوراً تاڑ لیا کہ ہماری حکومت میں رخنہ ڈالا جاتا ہے اور وہ مفید تحریک بے کار ہو کر رہ گئی لیکن اگر یہی تحریک عوام میں پیدا ہوا اور مذہبی رُوح اس کے پیچھے کام کر رہی ہو تو سیاسی رقابت اس کے رستہ میں حائل نہیں ہوگی، صرف جماعتی رقابت اس کے رستہ میں روک بنے گی۔ سیاسی رقابت کی وجہ سے ایسی تحریک اسی ملک میں محدود ہو کر رہ جائے گی جس کی حکومت اس کی تائید میں ہوگی لیکن جماعتی مخالفت کی صورت میں وہ کسی ملک میں محدود نہیں رہے گی ہر ملک میں جائے گی اور پھیلے گی اور اپنی جڑیں بنائے گی بلکہ ایسے ملکوں بھی میں جا کر کامیاب ہوگی جہاں اسلامی حکومت نہیں ہوگی کیونکہ سیاسی ٹکراؤ نہ ہونے کی وجہ سے ابتدائی زمانہ میں حکومتیں اس کی مخالفت نہیں کریں گی۔ چنانچہ احمدیّت کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ احمدیّت کا منشاء محض مسلمانوں کے اندر اتحّاد پیدا کرنا تھا۔ وہ بادشاہت کی طالب نہیں تھی، وہ حکومت کی طالب نہیں تھی۔ انگریزوں نے اپنے ملک میں بعض دفعہ احمدیّت کو تکلیفیں بھی پہنچائی ہیں لیکن اس کے خالص مذہبی ہونے کی وجہ سے اس سے کھلے

بندوں ٹکرانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔افغانستان میں ملّانوں سے ڈر کر بعض دفعہ بادشاہوں نے سختیاں کیں لیکن پرائیویٹ ملاقاتوں میں اپنی معذوریاں بھی ظاہر کرتے رہے اور اظہارِ ندامت بھی کرتے رہے۔اسی طرح دوسرے اسلامی ممالک میں عوام النّاس نے مخالفت کی۔علماء نے مخالفت کی اور اُن سے ڈر کر حکومت نے بھی بعض دفعہ روکیں ڈالیں لیکن کسی حکومت نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ تحریک ہماری حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے قائم ہوئی ہے اور یہ ان کا خیال بالکل درست تھا۔

احمدیّت کو سیاست سے کوئی غرض نہیں،احمدیّت صرف اس غرض کے لئے کھڑی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کی دینی حالت کو درست کرے اور اُنہیں ایک رشتہ میں پروئے تا کہ وہ مل کر اسلام کے دشمنوں کا اخلاقی اور روحانی ہتھیاروں سے مقابلہ کر سکیں۔اسی بات کو سمجھتے ہوئے امریکہ میں احمدی مبلّغ گئے۔جس حد تک وہ ایشیائیوں کی مخالفت کرتے تھے انہوں نے احمدی مبلّغوں کی مخالفت کی۔لیکن جہاں تک مذہبی تحریک کا سوال تھا اس کے مدّنظر انہوں نے مخالفت نہیں کی۔ڈچ حکومت نے انڈونیشیا میں بھی اسی طریق سے کام لیا۔جب انہوں نے دیکھا کہ سیاست میں یہ ہمارے ساتھ نہیں ٹکراتے تو گو انہوں نے مخفی نگرانیاں بھی کیں،بے اعتنائیاں بھی کیں مگر کھلے بندوں احمدیت سے ٹکرانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اس رویّہ میں وہ بالکل حق بجانب تھے۔بہرحال ہم اُن کے مذہب کے خلاف تبلیغ کرتے تھے اس لئے ہم ان سے کسی ہمدردی کے امیدوار نہیں تھے مگر ہم ان کی سیاست سے بھی براہ راست نہیں ٹکراتے تھے۔اس لئے ان کا بھی یہ کوئی حق نہیں تھا کہ ہم سے براہ راست ٹکراتے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جماعت احمدیہ قریباً ہر ملک میں قائم ہے۔ہندوستان میں بھی،افغانستان میں بھی،ایران میں بھی،عراق میں بھی ،شام

میں بھی، فلسطین میں بھی، مصر میں بھی، اٹلی میں بھی، سوئٹزرلینڈ میں بھی، جرمنی میں بھی، انگلینڈ میں بھی، یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں بھی، انڈونیشیا، ملایا، ایسٹ اور ویسٹ افریقہ، ایبے سینیا، ارجن ٹائن، غرض ہر ملک میں تھوڑی یا بہت جماعت موجود ہے [1] اور ان ممالک کے اصلی شہریوں میں سے جماعت موجود ہے یہ نہیں کہ وہاں کے بعض ہندوستانی احمدی ہو گئے ہوں اور وہ ایسے مخلص لوگ ہیں کہ اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے قربان کر رہے ہیں۔ ایک انگریز لیفٹیننٹ اپنی زندگی وقف کر کے اس وقت مبلّغ کے طور پر انگلستان میں کام کر رہا ہے۔ باقاعدہ نمازی ہے، شراب وغیرہ کے قریب نہیں جاتا۔ خود محنت مزدوری سے پیسے کما کر ٹریکٹ وغیرہ شائع کرتا ہے یا جلسے کرتا ہے۔ ہم اُسے گزارہ کے لئے اتنی قلیل رقم دیتے ہیں جس سے انگلستان کا ایک چُوہڑا بھی زیادہ کماتا ہے۔ اسی طرح جرمنی کے ایک شخص نے زندگی وقف کی ہے، وہ بھی فوجی افسر ہے بڑی جِدّ و جُہد سے وہ جرمنی سے نکلنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ابھی اطلاع آئی ہے کہ وہ سوئٹزرلینڈ پہنچ گیا ہے اور وہاں ویزہ کا انتظار کر رہا ہے۔ یہ نوجوان اسلام کی خدمت کا بے انتہاء جوش اپنے دل میں رکھتا ہے اور اس لئے پاکستان آ رہا ہے کہ یہاں اسلام کی تعلیم پوری طرح حاصل کر کے کسی غیر ملک میں اسلام کی تبلیغ کرے۔

جرمنی کا ایک اور نوجوان مصنّف اور اس کی تعلیم یافتہ بیوی زندگی وقف کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اور شاید عنقریب ہی وہ اس فیصلہ پر پہنچ کر پاکستان تعلیمِ اسلام کے لئے آجائیں گے۔

اسی طرح ہالینڈ کا ایک نوجوان اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کا ارادہ کر

---

[1] یہ ۱۹۴۸ء کا مضمون ہے اس کے بعد کے عرصہ میں احمدیہ جماعت دُنیا کے مزید ممالک میں قائم ہو چکی ہے۔ ناشر

چکا ہے اور غالباً جلد ہی کسی نہ کسی ملک میں تبلیغ اسلام کے کام پر لگ جائے گا۔ بے شک جماعت احمدیہ تھوڑی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے جماعتِ اسلامی قائم ہو رہی ہے۔ ہر ملک میں کچھ نہ کچھ افراد اس میں شامل ہو کر ایک عالمگیر اتحاد کی بنیاد رکھ رہے ہیں اور ہر سیاست کے ماننے والے لوگوں میں سے کچھ نہ کچھ آدمی اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ ایسی تحریکوں کی ابتداء شروع میں چھوٹی ہی ہوا کرتی ہے لیکن ایک وقت میں جا کر وہ ایک فوری قوّت حاصل کر لیتی ہیں اور چند دنوں میں اِتحاد اور اِتفاق کا بیج بونے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سیاسی طاقت کے لئے سیاسی جماعتوں کی ضرورت ہے اور مذہبی اور اخلاقی طاقت کے لئے مذہبی اور اخلاقی جماعتوں کی ضرورت ہے۔ جماعت احمدیہ سیاست سے اسی لئے الگ رہتی ہے کہ اگر وہ ان باتوں میں دخل دے تو وہ اپنے کام میں سُست ہو جائے۔

جماعتِ احمدیّہ کا پروگرام

دوسرا سوال پروگرام کا رہا۔ پروگرام کے لحاظ سے بھی جماعت احمدیہ ہی ایک متّحدہ پروگرام رکھتی ہے اور کوئی جماعت متّحدہ پروگرام نہیں رکھتی ۔ جماعت احمدیّہ عیسائیت کے حملہ کا پورا اندازہ لگا کر ہر ملک میں اس کا مقابلہ کر رہی ہے۔ اس وقت دنیا کا سب سے کمزور خطّہ اور بعض لحاظ سے سب سے طاقت ور خطّہ افریقہ ہے۔ عیسائیت نے اس وقت اپنی ساری طاقت سے افریقہ میں دھاوا بول دیا ہے اب تو کھلے بندوں وہ اپنے ان ارادوں کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے صرف پادریوں کا ذہن ادھر جاتا تھا۔ پھر انگلستان کی کنسرویٹیو پارٹی ادھر مائل ہوئی اور اب تو لیبر پارٹی نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ

یورپ کی نجات کا دارو مدار افریقہ کی ترقّی اور اس کی تنظیم پر ہے۔مگر یورپ سمجھتا تھا کہ یہ ترقّی اور تنظیم اسی صورت میں یورپ کے لئے مفید ہوسکتی ہے جبکہ اس کے باشندے عیسائی ہوجائیں۔احمدیّت نے اس راز کو چوبیس سال پہلے بھانپ لیا اور چوبیس سال پہلے اپنے مبلّغ وہاں بھجوادیئے جہاں ہزاروں ہزار آدمی عیسائیت سے نکل کر مسلمان ہوگئے اور اس وقت افریقہ میں سب سے منظّم اسلامی جماعت احمدیّت کی ہے جس کا مقابلہ کرنے سے عیسائیوں نے گریز کرنا شروع کردیا ہے اور اُن کے لٹریچر میں متواتر اس بات کا اظہار کیا جارہا ہے کہ احمدیہ جماعت کی مساعی نے عیسائی مشنریوں کی کوششوں کو باطل کردیا ہے۔یہی تبلیغی سلسلہ مشرقی افریقہ میں بھی سالہا سال سے جاری ہے اور گو وہاں کام کی ابتداء ہے اور اس وجہ سے نتائج ابھی اتنے شاندار نہیں جتنے مغربی افریقہ میں ہیں۔لیکن پھر بھی عیسائیوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہونے شروع ہوگئے ہیں اور امید ہے کہ چند سال میں یہاں بھی مبلّغوں کی کوششیں اعلیٰ نتائج پیدا کرنے لگ جائیں گی۔اِنڈونیشیا اور ملایا میں بھی ایک لمبے عرصہ سے مشن قائم ہیں اور اسلام کے بھاگتے ہوئے گروہوں کو ٹھہرانے،جمع کرنے اور اکٹھا کرکے دشمن کے مقابلہ پر کھڑا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔یونائیٹیڈ سٹیٹس امریکہ عیسائی طاقتوں میں اب سب سے آگے آچکی ہے،وہاں بھی چوبیس سال سے احمدی مبلّغ کام کررہے ہیں اور ہزاروں باشندے امریکہ کے احمدی ہوچکے ہیں اور ہزارہا روپیہ سالانہ تبلیغِ اسلام پر خرچ کررہے ہیں۔امریکہ کی دولت کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں اور وہاں کے پادریوں کی کوششوں کے مقابلہ میں یہ بالکل حقیر کوشش ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ مقابلہ شروع کردیا گیا ہے اور فتح ہم کو ہورہی ہے کیونکہ ہم عیسائی جماعت کے آدمی چھین کر اپنی طرف لا رہے ہیں۔عیسائی جماعت ہمارے

آدمی چھین کر نہیں لے جا رہی۔ پس یہ نہیں کہنا چاہئے کہ احمدیت نے ایک نئی جماعت کیوں قائم کی ہے کہنا یہ چاہئے کہ احمدیّت نے ایک جماعت قائم کر دی جبکہ اس سے پہلے کوئی جماعت نہیں تھی اور کیا یہ قابل اعتراض بات ہے یا قابلِ تعریف بات ہے؟

احمدیوں کو دوسری جماعتوں سے علیٰحدہ رکھنے کی وجہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسی کسی جماعت کے بنانے کی ضرورت کیا تھی۔ یہی باتیں دوسرے مسلمانوں میں پھیلائی جانی چاہئے تھیں۔ اس کی عقلی جواب یہ ہے کہ ایک کمانڈر انہی لوگوں کو لڑائی میں بھیج سکتا ہے جو فوج میں بھرتی ہو چکے ہوں۔ جو لوگ فوج میں بھرتی نہیں وہ اُن کو بھیج کس طرح سکتا ہے؟ اگر جماعت ہی کوئی نہ بنائی جاتی تو بانئ سلسلہ احمدیہ کس سے کام لیتا اور کس کو حکم دیتا اور اُن کے خلفاء کس سے کام لیتے اور کس کو حکم دیتے؟ کیا وہ بازار میں پھرنا شروع کرتے اور ہر مسلمان کو پکڑ کر کہتے کہ آج فلاں جگہ اسلام کے لئے ضرورت ہے تُو وہاں جا اور وہ آگے سے یہ جواب دیتا کہ میں تو آپ کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں اور پھر وہ اگلے آدمی کو جا پکڑتے اور پھر اس سے اگلے آدمی کو جا پکڑتے۔ یہ ایک عقلی حقیقت ہے کہ جب کوئی منظّم کام کرنا ہو تو اس کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر ایسی جماعت کے کوئی منظّم کام نہیں ہوسکتا۔ اگر کہو کہ جماعت تو بناتے لیکن سب میں ملے جلے رہتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جان کو جوکھوں میں ڈالنے والے کاموں کے لئے ہر شخص کہاں تیار ہوتا ہے۔ ایسے کام تو وہ دیوانے ہی کیا کرتے ہیں اور دیوانوں کو ہوشیاروں سے الگ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ہوشیار دیوانوں کو بھی اپنے جیسا بنالیں گے تو پھر ایسے کام کو کون کرے گا نیز دوسروں سے

الگ رہنا خود بخود طبائع میں استعجاب پیدا کرتا ہے اور آپ ہی آپ لوگ اس کی کُرید اور تجسّس شروع کر دتے ہیں اور آخر ایک دن اسی چیز کا شکار ہو جاتے ہیں جس کو مٹانے کے لئے وہ آگے بڑھتے ہیں۔ پس یہ سارے اعتراضات قلّتِ تدبّر کا نتیجہ ہیں۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو سمجھ آ سکتا ہے کہ اصل میں وہی طریقہ درست ہے جو احمدیّت نے اختیار کیا ہے۔ اسی صحیح طریقہ پر عمل کر کے وہ اسلام کے لئے قربانی کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا کر سکی ہے اور جب تک وہ اس طریق پر عمل کرتی رہے گی روز بروز ایسے افراد کی تعداد کو بڑھاتی چلی جائے گی یہاں تک کہ کفر محسوس کرے گا کہ اب اسلام طاقت پکڑ گیا ہے اور وہ اسلام پر اپنی ساری طاقت کے ساتھ حملہ کرے گا، مگر حملے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ میدان اسلام ہی کے ہاتھ رہے گا اور کفر شکست کھا جائے گا۔

ہم سیاسی جِدّ وجُہد کرنے والوں کے راستہ میں روک نہیں بنتے۔ ہم اُن سے کہتے ہیں کہ جب تک تمہاری سمجھ میں ہماری باتیں نہ آئیں تم اپنا کام کرتے چلے جاؤ۔ لیکن ہم ان سے یہ بھی خواہش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے راستہ سے نہ روکیں۔ اگر کسی کی سمجھ میں ان کا طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے تو وہ ان سے جا ملے اور اگر کسی کی سمجھ میں ہمارا طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے تو وہ ہم میں آ ملے۔ ان کے طریقہ میں قربانی کم اور شہرت زیادہ ہے اور ہمارے طریقہ میں قربانی زیادہ اور شہرت کم ہے۔ ان کو ان کا حصّہ ملتا رہے گا اور ہم کو ہمارا حصّہ ملتا رہے گا۔ جن لوگوں کی نگاہ میں مغز اور حقیقت کے لحاظ سے اسلام کا قیام زیادہ ضروری ہوگا وہ ہم میں آ ملیں گے اور جو لوگ ظاہری بادشاہت کے شیدائی ہوں گے وہ اُن میں جا ملیں گے۔ لیکن ہم لڑیں کیوں اور جھگڑیں کیوں؟ دونوں ہی غمِ ملّت میں تڑپ رہے ہیں، گو جُدا جُدا اعضاء میں ٹیس اٹھ رہی ہے۔ اُن کے دماغوں میں درد ہے۔ ہمارے دل

اذیّت پا رہے ہیں۔

یہ تو میں نے عقلی نقطۂ نگاہ سے جواب دیا ہے اب میں روحانی نقطۂ نگاہ سے جواب دیتا ہوں اور میرے نزدیک وہی حقیقی نقطۂ نگاہ ہے۔

اس سوال کا روحانی جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے یہ سنّت ہے کہ جب کبھی دنیا میں خرابی پھیل جاتی ہے، روحانیت اس سے مفقود ہو جاتی ہے۔ لوگ دنیا کو دین پر مقدّم کرنے لگ جاتے ہیں، تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے آسمان سے کسی مامور کو مبعوث فرماتا ہے تا کہ اس کے کھوئے ہوئے بندوں کو پھر اس کی طرف واپس لائے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو پھر دنیا میں قائم کرے۔ بعض دفعہ یہ مامورین شریعت ساتھ لاتے ہیں اور بعض دفعہ کسی پہلی شریعت کو قائم کرنے کے لئے آتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی اس سنّت پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے اور بار بار بنی نوعِ انسان کو اللہ تعالیٰ کے اس رحم اور کرم کی شناخت کی طرف متوجّہ کیا گیا ہے۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ بہت بڑی شان رکھتا ہے اور انسان اس کے مقابلہ میں ایک کیڑے سے بھی بدتر ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام حکمت سے پُر ہوتے ہیں اور وہ کوئی کام بھی بلا وجہ اور بغیر فائدہ کے نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ[1] یعنی ہم نے یہ زمین اور آسمان یُونہی نہیں پیدا کئے بلکہ اُن کی پیدائش میں غرض رکھی ہے اور وہ غرض یہی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی صفات کو ظاہر کرے اور اس کا مظہر بن کر دُنیا کے ان لوگوں کو جو بلند پروازی کی طاقت نہیں رکھتے خدا تعالیٰ سے روشناس

---

[1] الدّخان: ۳۹

کرے۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک خدا تعالیٰ کی یہی سنّت جاری رہی ہے اور مختلف اوقات میں خدا تعالیٰ نے اپنے مختلف مظاہر اس دنیا میں مبعوث فرمائے۔ کبھی خدا تعالیٰ کی صفات آدمؑ کے ذریعہ سے جلوہ گر ہوئیں۔ کبھی نوحؑ کے ذریعہ سے جلوہ گر ہوئیں۔ کبھی ابراہیمیؑ جسم میں سے وہ ظاہر ہوئیں، تو کبھی موسویؑ جسم سے ہویدا ہوئیں، کبھی داوٗدؑ نے خدا تعالیٰ کا چہرہ دنیا کو دکھایا تو کبھی مسیحؑ نے اللہ تعالیٰ کے انوار کو اپنے وجود میں ظاہر کیا۔ سب سے آخر اور سب سے کامل طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو اجمالاً اور تفصیلاً انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی ایسی شان اور ایسے جلال کے ساتھ دنیا پر ظاہر کیا کہ پہلے انبیاء آپ کے شمسی وجود کے آگے ستاروں کی مانند ماند پڑ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام شریعتیں ختم ہوگئیں اور تمام شریعت لانے والے انبیاء کی آمد کا رستہ بند کر دیا گیا۔ کسی جنبہ داری کی وجہ سے نہیں، کسی لحاظ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی شریعت لائے جو تمام ضرورتوں کی جامع اور تمام حاجتوں کو پورا کرنے والی تھی۔ جو چیز خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والی تھی وہ تو پوری ہوگئی لیکن بندوں کے متعلق کوئی ضمانت نہیں تھی کہ وہ صحیح رستہ کو نہیں چھوڑیں گے اور اس سچّی تعلیم کو نہیں بھولیں گے بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا تھا کہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ[1] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اس آخری کلام اور اپنی اس آخری شریعت کو آسمان سے زمین پر قائم کردے گا اور لوگوں کی مخالفت اس کے رستہ میں روک نہیں بنے گی۔ مگر پھر ایک عرصہ کے

[1] السّجدۃ:۶

بعد یہ کلام آسمان پر چڑھنا شروع ہوگا اور ایک ہزار سال میں یہ دنیا سے اٹھ جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قیام دین کے زمانہ کو تین سو سال کا عرصہ قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر حدیث بیان کی جا چکی ہے اور قرآن کریم بھی الٓمٓرٰ کے ذریعہ سے دوسوا کہتّر سال کا عرصہ اس زمانہ کو قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہزار سال تک دین کے آسمان پر چڑھنے کے عرصہ کو ملایا جائے تو یہ ۱۲۷۱ ہوتا ہے۔ گویا دینا سے اسلام کی روح کے غائب ہو جانے کا زمانہ قرآن کریم کی رو سے ۱۲۷۱ سال ہے یا تیرھویں صدی کا آخر۔ جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ضرور ایک ہادی اور راہنما آیا کرتا ہے تا کہ دُنیا ہمیشہ کے لئے شیطان کے قبضہ میں نہ چلی جائے اور خدا تعالیٰ کی حکومت ابدی طور پر دنیا سے مٹ نہ جائے۔ پس ضروری تھا کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی شخص آتا۔ وہ کوئی ہوتا مگر آنا ضرور تھا۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ آدمؑ کے اتباع میں جب کبھی خرابی پیدا ہوئی تو خدا تعالیٰ نے اُن کی خبر لی۔ نوحؑ کے اتباع میں جب کبھی خرابی پیدا ہوئی تو خدا تعالیٰ نے ان کی خرب لی۔ ابراہیمؑ کے اتباع میں جب کبھی خرابی پیدا ہوئی تو خدا تعالیٰ نے اُن کی خبر لی۔ موسیٰؑ کے اتباع میں جب کبھی خرابی پیدا ہوئی تو خدا تعالیٰ نے اُن کی خبر لی۔ عیسیٰؑ کے اتباع میں جب کبھی خرابی پیدا ہوئی تو خدا تعالیٰ نے اُن کی خبر لی۔ لیکن سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں خرابی پیدا ہو تو خدا تعالیٰ اُس کی خبر نہ لے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کے متعلق تو یہ پیشگوئی تھی کہ چھوٹے چھوٹے مفاسد کو دور کرنے کے لئے آپؐ کی اُمّت میں ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد مبعوث ہوا کرے گا۔ کیا کوئی عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مفاسد کو دور کرنے کے لئے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے

مجدّد دین ظاہر ہوتے رہیں۔جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا[1]۔لیکن اس عظیم الشّان فتنہ کے موقع پر جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا میں انبیاء آنے لگے ہیں وہ اس فتنہ کی خبر دیتے چلے آئے ہیں۔کوئی مامور نہ آئے،کوئی ہادی نہ آئے،کوئی راہنما نہ آئے،مسلمانوں کو دین حقّہ پر جمع کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آواز بلند نہ کی جائے۔مسلمانوں کو تاریکی اور ظلمت کے گڑھے سے نکالنے کے لئے آسمان سے کوئی رسّی نہ گرائی جائے۔وہ خدا جو ابتدائے عالم سے اپنے رحم و کرم کے نمونے دکھاتا چلا آیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس کے رحم اور کرم کے دریا میں مزید جوش پیدا ہو گیا ہے نہ کہ اس کا رحم اور کرم مٹ گئے ہیں۔اگر خدا تعالیٰ کبھی بھی رحیم تھا تو اُمّت محمدیہ کے لئے اس کر پہلے سے زیادہ رحیم ہونا چاہئے۔اگر خدا تعالیٰ کبھی بھی کریم تھا تو اُمّت محمدیہ کے لئے اس کو پہلے سے زیادہ کریم ہونا چاہئے اور یقیناً وہ ایسا ہی ہے۔قرآن کریم اور احادیث اس پر شاہد ہیں کہ امت محمدیہ میں جب کبھی خرابی پیدا ہو گی خدا تعالیٰ اپنی طرف سے ہادی اور راہنما بھجواتا رہے گا۔خصوصاً اس آخری زمانہ میں جبکہ دجّال کا فتنہ ظاہر ہو گا عیسائیت غالب آ جائے گی۔اسلام ظاہری طور پر مغلوب ہو جائے گا اور مسلمان دین کو چھوڑ بیٹھیں گے اور دوسری اقوام کے رسم و رواج کو اختیار کر لیں گے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کامل مظہر ظاہر ہو گا اور اس زمانہ کی اصلاح کرے گا جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَ لَا یَبْقٰی مِنَ

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۱ کتاب الفتن و اصول الکافی صفحہ ۲۹۴

الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ[1] یعنی اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کی صرف تحریر رہ جائے گی، اسلام کا مغز کہیں نظر نہ آئے گا اور قرآن کے معنی کسی پر روشن نہ ہوں گے۔

پس اے عزیزو! سلسلہ احمدیہ کا قیام اسی سنّت قدیمہ کے ماتحت ہوا ہے اور انہی پیشگوئیوں کے مطابق ہوا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ سے پہلے انبیاء نے اس زمانہ کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔ اگر مرزا صاحب کا انتخاب اس کام کے لئے مناسب نہ تھا تو یہ خدا تعالیٰ پر الزام ہے۔ مرزا صاحب کا اس میں کیا قصور ہے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے اور کوئی راز اس سے پوشیدہ نہیں اور اس کے تمام کام حکمتوں سے پُر ہوتے ہیں تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتخاب ہی صحیح انتخاب تھا اور انہی کے ماننے میں مسلمانوں اور دنیا کی بہتری ہے۔ آپ کوئی نیا پیغام دنیا کے لئے نہیں لائے مگر وہی پیغام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو سنایا تھا مگر دنیا اُسے بھول گئی۔ وہی پیغام جو قرآن کریم نے پیش کیا تھا مگر دنیا نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا اور وہ یہی پیغام ہے کہ تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے۔ اس نے انسان کو اپنی محبت اور تعلق کے لئے پیدا کیا ہے۔ اپنی صفات کو اس کے ذریعہ سے ظاہر کرنے کے لئے اسے بنایا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔[2] پس آدمؑ اور اس کی نسل خدا تعالیٰ کی خلیفہ یعنی اس کی نمائندہ ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کو دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پس تمام بنی نوع انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو خدا تعالیٰ کی صفات کے مطابق بنائیں اور جس طرح ایک نمائندہ اپنے تمام کاموں میں اپنے موکّل کی طرف بار بار متوجہ ہوتا ہے اور ایک

---

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب العلم الفصل الثالث صفحہ ۳۷، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۳   [2] سورۃ البقرۃ: ۳۱

غلام ہر نیا قدم اُٹھانے سے پہلے اپنے آقا کی طرف دیکھتا ہے اسی طرح انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کرے کہ خدا تعالیٰ اس کی ہر دم اور ہر کام میں راہنمائی کرے اور تمام چیزوں سے زیادہ وہ اس کا محبوب ہو اور تمام باتوں میں وہ اس پر توکّل کرنے والا ہو اور اسی فرض کو پورا کروانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں آئے۔ ان کا یہ کام تھا کہ وہ دنیادار لوگوں کو دین دار بنائیں، اسلام کی حکومت دلوں پر قائمکریں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر اپنے روحانی تخت پر بٹھائیں جس تخت پر سے اتارنے کے لئے شیطانی طاقتیں اندرونی اور بیرونی حملے کر رہی ہیں۔

اس غرض کو پورا کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کو قشر کی بجائے مغز کی طرف توجہ دلائی اور اس بات پر زور دیا کہ احکام کا ظاہر بھی نہایت اہم اور ضروری ہے لیکن بغیر باطن کی طرف توجہ کرنے کے انسان کوئی ترقی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ نے ایک جماعت قائم کی اور عہدِ بیعت میں یہ شرط مقرر کی کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ درحقیقت یہی مرض تھی جو مسلمانوں کو گُھن کی طرح کھا رہی تھی۔ باوجود اس کے کہ دنیا ان کے ہاتھوں سے چھوٹ چکی تھی پھر بھی دنیا ہی کی طرف ان کی توجّہ جاتی تھی۔ اسلام کی ترقی کے معنے ان کے نزدیک بادشاہتوں کا حصول رہ گیا تھا اور اسلام کی کامیابی کے معنی ان کے نزدیک مسلمان کہلانے والوں کی تعلیم اور ان کی تجارت کی ترقی تھی حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس لئے نہیں آئے تھے کہ لوگ مسلمان کہلانے لگ جائیں بلکہ آپ لوگوں کو حقیقی مسلمان بنانے آئے تھے جس کی تعریف قرآن کریم نے یہ فرمائی ہے کہ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ[1] وہ اپنے

---

[1] البقرہ: ۱۱۳

سارے وجود کو خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دے اور اپنی دنیوی حاجات کو دینی حاجات کے تابع کر دے۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً اسلام اور دیگر ادیان میں یہی فرق ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم علم حاصل نہ کرو، نہ یہ کہتا ہے کہ تم تجارتیں نہ کرو، نہ یہ کہتا ہے کہ صنعت وحرفت نہ کرو۔ نہ یہ کہتا ہے کہ تم اپنی حکومت کی مضبوطی کی کوشش نہ کرو۔ وہ صرف انسان کے نقطۂ نگاہ کو بدلتا ہے۔ دنیا میں تمام کاموں کے دو نقطۂ نگاہ ہوتے ہیں ایک قشر سے مغز حاصل کرنے کا نقطۂ نگاہ ہوتا ہے۔ اور ایک مغز سے قشر حاصل کرنے کا نقطۂ نگاہ ہوتا ہے جو شخص قشر سے مغز حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے ضروری نہیں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے بلکہ اکثر وہ ناکام رہتا ہے لیکن جو شخص مغز حاصل کرتا ہے اس کو ساتھ ہی قشر بھی مل جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے تمام جدوجہد دین کے لئے تھی لیکن یہ نہیں کہ وہ دنیوی نعمتوں سے محروم ہو گئے ہوں۔ یہ تو ایک طبعی امر ہے جن لوگوں کو دین ملے گا دنیا لونڈی کی طرح ان کے پیچھے دوڑتی آئے گی لیکن دنیا کے ساتھ دین کا ملنا ضروری نہیں۔ بسا اوقات وہ نہیں ملتا۔ بسا اوقات رہا سہا دین بھی ہاتھوں سے جاتا رہتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انبیاء کے طریق پر چلتے ہوئے خدا تعالیٰ کے حکم سے دین پر زور دینا شروع کیا۔ جس وقت آپ ظاہر ہوئے مسلمانوں میں دو قسم کی تحریکیں جاری تھیں۔ ایک تحریک یہ تھی کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں اس لئے انہیں دنیوی طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ دوسری تحریک آپ نے چلائی کہ ہم کو دین کی طرف توجہ کرنی چاہئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا اللہ تعالیٰ ہمیں خود بخود دے دے گا۔

بعض لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ آپ کی تحریک بھی ویسی ہی ہے جیسے آج کل کے صوفیاء وغیرہ کی تحریک ہوتی ہے کہ وہ ظاہری طور پر نماز روزہ پر زور دیتے ہیں اور اچھے بھلے آدمیوں خو خلوت میں بیٹھا کر پَردہ نشین عورتوں کی طرح بنا دیتے ہیں۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یقیناً آپ بھی مغز کے نام سے ایک قشر کے حصول کی تحریک کرتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نے جہاں دینی احکام پر زور دیا وہاں اس بات پر بھی زور دیا کہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے آیا کرتا ہے کہ وہ انسان کے ذہن کو جِلا بخشے اور اس کے دماغ کو منور کرے اور اس کی عقل کو تیز کرے۔ آپ نے کہا جو شخص سچے طور پر دین پر عمل کرتا ہے اور بناوٹ سے کام نہیں لیتا دین اس کے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا کرتا ہے، دین اس کے اندر قوّت عملیہ پیدا کرتا ہے، دین اس کے اندر ایثار اور قربانی کا مادہ پیدا کرتا ہے ۔آپ نے فرمایا کہ تم دین کو اختیار کرو، تم نمازیں پڑھو، تم روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو، لیکن وہ نمازیں پڑھو جو قرآن نے بتائی ہیں اور وہ روزے رکھو جو قرآن نے بتائے ہیں، اور وہ حج کرو جو قرآن نے بتایا ہے اور وہ زکوٰۃ دو جو قرآن نے بتائی ہے۔ قرآن کریم تم سے اُٹھک بیٹھک کا مطالبہ نہیں کرتا، نہ وہ تم سے بھوکے رہنے کا مطالبہ کرتا ہے، نہ اپنا ملک بے فائدہ چھوڑنے کا مطالبہ کرتا ہے، نہ اپنا مال گنوانے کا مطالبہ کرتا ہے قرآن کریم تو نماز کے متعلق یہ فرماتا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ[1] ۔نماز تم سے فحشاء اور منکر کو ترک کروا دیتی ہے۔ پس اگر وہ نتیجہ نہیں نکلتا جو نماز کا قرآن کریم نے بتایا ہے تو تمہاری نماز، نماز نہیں ہے۔ اور روزے کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ[2] روزہ اس لئے

[1] العنکبوت:۴۶ [2] البقرہ:۱۸۴

مقرر کیا گیا ہے تا تمہارے اندر تقویٰ اور اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوں۔ پس اگر تم روزے رکھتے ہو اور یہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ تمہاری نیّت درست نہیں اور تم روزہ نہیں رکھتے بلکہ تم اپنے آپ کو بھوکا رکھتے ہو اور خدا تعالیٰ کو تمہارا بھوکا رکھنا تو مطلوب نہیں اور حج کے لئے فرماتا ہے کہ یہ بغاوت کے خیالات کو روکنے اور باہمی جھگڑوں کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس حج رفث اور فسق اور جدال کو روکنے کے لئے ہے اور زکوٰۃ کے لئے فرماتا ہے خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا[1] زکوٰۃ تزکیہ فرد و قوم اور تطہیر قلب و افکار کے لئے مقرر کی گئی ہے پس جب تک یہ نتائج پیدا نہ ہوں تمہارا حج اور تمہاری زکوٰۃ صرف دکھاوے کے ہیں۔ پس تم نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو مگر تمہاری نماز اور روزے اور حج کو میں تب تسلیم کروں گا جب ان کا نتیجہ نکلے اور تم فحشاء و منکر سے بچو اور تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو اور رفث اور فسوق اور جدال سے کُلّی طور پر دور ہو جاؤ اور تزکیہ فرد و قوم اور تطہیر قلب و افکار تم کو حاصل ہو لیکن جس شخص کے اندر یہ نتیجہ پیدا نہیں ہوگا میں اسے اپنی جماعت میں نہیں سمجھوں گا کیونکہ اس نے قشر کو اختیار کیا مغز کو اختیار نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کا مقصود تھا۔

اسی طرح تمام باقی عبادات کے متعلق آپ نے مغز پر زور دیا اور فرمایا کہ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں جو حکمت کے بغیر ہو۔ خدا تعالیٰ آنکھوں کو نظر نہیں آتا، خدا تعالیٰ دل کو نظر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو ہاتھوں سے نہیں چھوٗا جاتا، خدا تعالیٰ کو محبت سے چھوٗا جاتا ہے۔ پس مذہب کی غرض یہ نہیں کہ وہ صرف آنکھ اور ہاتھ پر حکومت کرے بلکہ جب بھی وہ آنکھ اور ہاتھ پر حکومت کرتا ہے تو وہ دل اور جذبات کو صاف کرنے کے لئے

---

[1] التوبہ: ۱۰۳

حکومت کرتا ہے تا کہ وہ قوّتیں انسان کے اندر پیدا ہوں کہ جن سے وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ سکے اور جن سے وہ خدا تعالیٰ کی چھو سکے اور وہ قوتیں پیدا ہوں جن سے وہ خدا تعالیٰ کو آواز کو سن سکے۔ غرض ان باتوں پر زور دے کر آپ نے ایک نیا راستہ اسلام کی ترقی کے لئے کھول دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو ایک چھوٹی سی جماعت پیدا ہوئی مگر ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جس نے دین کو دنیا پر مقدم کر لیا اور اسلام کی روحانی ترقی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی بادشاہت کے قیام کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنی شروع کر دی۔ آپ لوگ سوچیں تو سہی کہ کہاں احمدیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت اور کہاں تمام مسلمانوں کا ایک عظیم الشان گروہ۔ لیکن اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی کے لئے جو کچھ احمدیہ جماعت کر رہی ہے کیا باقی مسلمان جو ان سے ہزاروں گُنا زیادہ ہیں ان سے نصف یا چوتھا حصہ بھی کر رہے ہیں؟ آخر یہ تبدیلی کیوں ہوئی؟ اسی لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احمدیوں پر زور دیا تھا کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کریں۔ یہ حقیقت احمدیوں پر کھل گئی تو ان کے اعمال ایک نئے قسم کے اعمال ہو گئے۔ ایک سچّے احمدی کی نماز وہ نماز نہیں جیسی ایک عام مسلمان نماز پڑھتا ہے۔ شکل وہی ہے کلمات وہی ہیں لیکن مغز اور ہے۔ احمدی نماز کو نماز کی خاطر پڑھتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے پڑھتا ہے۔ شاید کوئی کہے کہ کیا باقی لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق بڑھانے کے لئے نماز نہیں پڑھتے؟ میرا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس وقت مسلمانوں میں بدقسمتی سے یہ خیال پیدا ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ مسلمانوں کو عام طور پر یہ غلطی لگ رہی ہے کہ نہ خدا تعالیٰ آج بندوں سے بولتا ہے اور نہ بندے خدا تعالیٰ سے کوئی بات منوا سکتے ہیں۔ ایک

صدی سے زیادہ عرصہ گزرا کہ الہام الٰہی کے نزول سے مسلمان منکر ہوں چکے ہیں۔ بے شک اس سے پہلے مسلمانوں میں وہ لوگ موجود تھے جو کلام الٰہی کے نازل ہوتے رہنے کے قائل تھے ۔قائل ہی نہیں،وہ اس بات کے بھی مدعی تھے کہ خدا تعالیٰ ان سے باتیں کرتا ہے لیکن ایک صدی سے مسلمانوں پر یہ آفت نازل ہوئی ہے کہ وہ کُلّی طور پر کلام الٰہی کے جاری رہنے سے منکر ہو گئے بلکہ بعض علماء نے تو اس حقیقت کے اظہار کو کفر قرار دے دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آ کر دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیا کہ مجھ سے خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے اور مجھ سے ہی نہیں بلکہ جو شخص میری اتّباع کرے گا اور میرے نقش قدم پر چلے گا اور میری تعلیم کو مانے گا اور میری ہدایت کو قبول کرے گا خدا تعالیٰ اس سے بھی باتیں کرے گا۔ اس نے متواتر خدائی کلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اپنے ماننے والوں میں تحریک کی کہ تم بھی خدا تعالیٰ کے ان انعامات کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ آپ نے فرمایا مسلمان پانچ وقت خدا تعالیٰ سے یہ دعا مانگتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [1] اے خدا تو ہمیں سیدھا رستہ دکھا ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام نازل کئے تھے یعنی سابق انبیاء کرام۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ دعا ہمیشہ ہمیش کے لئے رائیگاں جاتی اور خدا تعالیٰ مسلمانوں میں سے کسی کے لئے بھی وہ رستہ نہ کھولتا جو پہلے نبیوں کے لئے کھولا گیا تھا اور کسی شخص سے بھی اس طرح کلام نہ کرتا جس طرح پہلے نبیوں سے کلام کرتا تھا۔ اس طرح آپ نے اس جمود کو کلی طور پر دور کر دیا جو مسلمانوں کے دلوں پر طاری تھا۔ میں نہیں کہتا کہ ہر احمدی مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ہر وہ احمدی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقصد

---

[1] سورۃ الفاتحہ:۶، ۷

کو پوری طرح سمجھ گیا وہ نماز کو اس طرح نہیں پڑھتا کہ گویا وہ ایک فرض ادا کر رہا ہے۔ وہ نماز کو اس طرح پڑھتا ہے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ سے کچھ لینے گیا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ سے ایک نیک تعلق پیدا کرنے کے لئے گیا ہے اور اس ارادہ کے ساتھ جو شخص نماز پڑھے گا، سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اس کی نماز اور دوسرے لوگوں کی نماز یکساں نہیں ہو سکتی۔ آپ نے خدا تعالیٰ کے تعلق پر اس حد تک زور دیا کہ فرمایا، میرے دعوے کے ماننے کے لئے خدا تعالیٰ نے بہت سے دلائل دیئے ہیں، مگر میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ تم ان دلائل کو سوچو اور ان پر غور کرو۔ اگر تم ان دلائل پر سوچنے اور غور کرنے کا موقع نہیں پاتے یا اس کی ضرورت نہیں سمجھتے، یا یہ خیال کرتے ہو کہ شاید ہماری عقل ان باتوں کے متعلق فیصلہ کرنے میں کوئی غلطی کر جائے تو میں تمہیں اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ سے میرے متعلق دعا کرو اور خدا تعالیٰ سے ہدایت چاہو کہ اگر یہ سچا ہے کہ تو ہماری رہنمائی فرما اور اگر یہ جھوٹا ہے تو ہمیں اس سے دور رکھ اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص سچے دل سے بغیر تعصّب کے کچھ دن اس قسم کی دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے لئے ہدایت کا رستہ کھولے گا اور میری صداقت اس پر روشن کر دے گا۔ سینکڑوں اور ہزاروں آدمی ہیں جنہوں نے اس طرح کوشش کی اور خدا تعالیٰ سے روشنی پائی۔ یہ کتنی بڑی روشن دلیل ہے۔ انسان اپنی عقل میں غلطی کر سکتا ہے لیکن خدا تو اپنی راہنمائی میں غلطی نہیں کر سکتا۔ اور کیسا یقین ہے اپنی سچائی پر اس شخص کو جو اپنی صداقت کے پہچاننے کے لئے اس قسم کا طریق فیصلہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کیا کوئی جھوٹا یہ کہہ سکتا ہے کہ جاؤ اور خدا تعالیٰ سے میرے متعلق پوچھو؟ کیا کوئی جھوٹا شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ اس قسم کا فیصلہ میرے حق میں صادر ہوگا؟ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں لیکن اس قسم کے طریق فیصلہ کو تسلیم کرتا ہے وہ تو گویا

اپنے خلاف خود ہی ڈگری دے دیتا ہے اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ ہی دنیا کے سامنے یہ بات پیش کی کہ میں اپنے ساتھ ہزاروں دلائل رکھتا ہوں لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تمہاری ان دلائل سے تسلی نہیں ہوتی تو نہ میری سنو اور نہ میرے مخالفوں کی سنو، خدا تعالیٰ کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ آیا میں سچا ہوں یا جھوٹا ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ کہہ دے کہ میں جھوٹا ہوں تو بے شک جھوٹا ہوں لیکن اگر خدا تعالیٰ یہ کہے کہ میں سچا ہوں تو پھر تمہیں میری سچائی کے قبول کرنے سے کیا انکار ہے؟

اے عزیزو! یہ کتنا سیدھا اور راستبازی کا طریقِ فیصلہ تھا۔ ہزاروں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور تمام وہ لوگ جو اس طریقِ فیصلہ کو اب بھی قبول کریں، اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس طریقِ فیصلہ میں درحقیقت یہی حکمت کارفرما تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ دین دنیا پر مقدم ہے، آپ فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے مادی چیزوں کے دیکھنے کے لئے آنکھیں دی ہیں۔ مادی چیزوں کے سمجھنے کے لئے عقل بخشی ہے اور مادی اشیاء کو دکھانے کے لئے اس نے اپنا سورج پیدا کیا ہے اور ستارے پیدا کئے ہیں پھر کس طرح ہوسکتا ہے کہ روحانی ہدایتوں کے دکھانے کے لئے اس نے کوئی رستہ تجویز نہ کیا ہو۔ یقیناً جب کبھی بھی کوئی شخص اس سے روحانی چیزوں کو دیکھنے کی خواہش کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لئے رستہ کھول دیتا ہے وہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1]۔ جو لوگ بھی ہمارے ملنے کی خواہش رکھتے ہوئے جِدّ و جُہد سے کام لیتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنا رستہ دکھا دیتے ہیں۔

---

[1] العنکبوت: ۷۰

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا طریق اپنی جماعت کے لئے بھی کھولا اور اپنے منکروں کے سامنے بھی اس طریق کو پیش کیا۔ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے، وہ اب بھی کارخانۂ عالم چلا رہا ہے، دنیا کا بھی اور دین کا بھی۔ ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اس سے تعلق پیدا کرے اور اس کے قریب ہوتا چلا جائے اور وہ شخص جس پر ہدایت ظاہر نہیں ہوئی اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہی روشنی چاہے اور اسی کی مدد سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے، پس اصل کام اور اصل پیغام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی تھا کہ وہ دنیا کی اصلاح کریں اور بنی نوع انسان کو پھر خدا تعالیٰ کی طرف لے جائیں اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے ملنے سے مایوس ہیں ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی ملاقات کا یقین پیدا کریں اور اس قسم کی زندگی سے لوگوں کو روشناس کریں جو موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیاء کے زمانہ میں لوگوں کو نصیب تھی۔

اے عزیزو! پُرانی کتابیں پڑھ کر دیکھو، پھر خود اپنے اسلاف کی تاریخ دیکھو، کیا ان لوگوں کی زندگیاں مادی تھیں؟ کیا ان کے کام صرف مادی تدابیر سے چلتے تھے؟ وہ لوگ خدا تعالیٰ کی محبت کے حاصل کرنے کے لئے رات دن تڑپتے تھے اور ان میں سے کامیاب لوگ خدا تعالیٰ کے معجزات اور نشانات سے حصّہ پاتے تھے اور یہی وہ زندگی تھی جو ان کو دوسری قوموں کے لوگوں سے ممتاز کرتی تھی لیکن آج وہ کونسا امتیاز ہے جو مسلمانوں کو ہندوؤں اور عیسائیوں اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں حاصل ہے؟ اگر کوئی ایسا امتیاز نہیں تو پھر اسلام کی ضرورت کیا ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا امتیاز ہے لیکن مسلمانوں نے اسے بھلا دیا اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اسلام میں ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ کا کلام جاری ہے اور ہمیشہ ہی خدا تعالیٰ کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کیا جا سکتا ہے رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان کے یہی تو معنے ہیں۔آپؐ کے فیضان کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ ہم بی ۔اے یا ایم۔اے کا امتحان پاس کر لیں۔کیا ایک عیسائی بی۔اے یا ایم۔اے نہیں ہوتا۔آپؐ کے فیضان کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ہم نے کوئی بڑا کارخانہ چلا لیا ہے۔کیا عیسائی اور ہندو اور سکھ ایسے کارخانے نہیں چلاتے۔آپؐ کے فیضان کے یہ معنی تو نہیں کہ کوئی بڑی تجارتی کوٹھی ہم نے کھول لی اور دور دراز ملکوں میں ہم نے تجارتی کاروبار جاری کر دیا ہے۔یہ بھی سب ہندو اور عیسائی اور یہودی کر رہے ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کے یہی معنے ہیں کہ آپؐ کے طفیل انسان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم ہو جائے۔انسان کا دل خدا تعالیٰ کو دیکھے اس کی روح کا اس سے اتحاد ہو جائے۔وہ اس کا شیریں کلام سنے اور خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات اور آیات اس کے لئے ظاہر ہوں۔یہ وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے بغیر کسی شخص کو دنیا میں نہیں مل سکتی اور یہی وہ چیز ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع دوسری قوموں سے ممتاز ہیں۔پس اسی کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو توجہ دلائی اور یہی چیز اپنے نہ ماننے والوں کے سامنے پیش کی کہ خدا تعالیٰ نے یہ کھویا ہوا موتی مجھے دیا ہے اور یہ ضائع شدہ متاع مجھے بخشی ہے اور یہ سب کچھ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپؐ کی اتباع سے ملا ہے اور اس مقام پر آپؐ ہی کے فیضان نے مجھے پہنچایا ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئے لیکن وہ سب جزوی حیثیّت رکھتے ہیں، گو بہت اہم اور عظیم الشان ہیں لیکن اصل کام یہی تھا کہ آپ نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے اور مادیّت پر روحانیّت کو غالب کرنے کی مہم شروع کی اور یقیناً اسلام کو دوسرے ادیان پر غلبہ اسی رستہ سے ہوگا۔ہم توپوں اور بندوقوں سے اپنے ملکوں کا دفاع بھی کریں گے۔ہم بعض بعض دشمنوں پر ان ذرائع سے غالب بھی آئیں گے لیکن ساری دنیا پر اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوگا وہ اسی روحانی

طریقہ سے حاصل ہوگا جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توجہ دلائی ہے۔جب مسلمان مسلمان ہو جائے گا،جب وہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے لگ جائے گا،جب وہ روحانی اشیاء کو مادی اشیاء پر فوقیت دینے لگے گا تو وہ عیّاشانہ زندگی جو اس وقت مغربی اقوام کی وجہ سے ہمارے ملک میں رائج ہورہی ہے آپ ہی آپ مٹ جائے گی اور انسان کسی کے کہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے نفس کی خواہش کے ماتحت لغویات کو چھوڑ دے گا اور سنجیدہ زندگی بسر کرنے لگ جائے گا اور اسکی زبان میں تاثیر پیدا ہو جائے گی اور اس کا ہمسایہ اُس کے رنگ کو اختیار کرنے لگے گا اور عیسائی اور ہندو اور دوسرے ادیان کے لوگ بھی اسی طرح جس طرح کہ مکہ کے لوگوں نے کہا تھا یہ کہنا شروع کردیں گے کہ لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ[1] کاش وہ مسلمان ہوتے اور پھر ہوتے ہوتے یہ قول ان کا مکہ کے لوگوں کی طرح عمل میں بدل جائے گا اور وہ مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ کوئی شخص زیادہ دیر تک اچھی بات سے دور نہیں رہ سکتا،پہلے رغبت پیدا ہوتی ہے،پھر لالچ آتی ہے،پھر کوشش پیدا ہوتی ہے اور آخر انسان کھچا کھچا اس چیز کی طرف آہی جاتا ہے۔یہی اب بھی ہوگا۔پہلے اسلام مسلمان لوگوں کے دلوں میں داخل ہوگا پھر وہ ان کے جسموں پر جاری ہو جائے گا۔پھر غیر مسلم لوگ خود بخود ایسے کامل مسلمانوں کی نقل کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور دنیا مسلمانوں سے بھر جائے گی اور اسلام سے معمور ہو جائے گی۔

اے عزیزو!اس چھوٹے سے مضمون میں میں تفصیلی دلائل بیان نہیں کرسکتا اور احمدیّت کے پیغام کی تمام جزئیات کو آپ کے سامنے پیش نہیں کرسکتا۔میں نے اجمالی طور پر احمدیّت کی غرض اور اس کا مقصد آپ لوگوں کے سامنے رکھ دیا ہے اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مضمون پر غور کریں اور سوچیں کہ دنیا میں کبھی بھی مذہبی تحریکیں صرف دنیوی

---

[1] الحجر:۳

ذرائع سے غالب نہیں ہوئیں۔ مذہبی تحریکیں اصلاحِ نفس، تبلیغ ورقربانی ہی کے ساتھ ہمیشہ غالب آتی رہی ہیں۔ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک جو نہیں ہوا وہ اب بھی نہیں ہوگا اور جس ذریعہ سے آج تک خدا تعالیٰ کے پیغام دنیا میں پھیلتے رہے ہیں اسی طرح اب بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دنیا میں پھیلے گا۔ پس اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے، اپنی اولادوں پر رحم کرتے ہوئے، اپنے خاندانوں اور اپنی قوموں پر رحم کرتے ہوئے، اپنے ملک پر رحم کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے پیغام کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے دروازے آپ کے لئے جلد سے جلد کھل جائیں اور اسلام کی ترقی پیچھے نہ پڑتی چلی جائے ابھی بہت کام ہے جو ہم نے کرنا ہے مگر اس کے لئے ہم آپ کی آمد کے منتظر ہیں کیونکہ خدائی ترقیات علاوہ معجزات کے دین کی اشاعت کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہیں۔ آپ آئیں اور اس بوجھ کو ہمارے ساتھ مل کر اٹھائیں جس بوجھ کا اٹھانا اسلام کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ بے شک قربانی اور ایثار اور ملامت اور تعذیب ان سب چیزوں کا دیکھنا اس رستہ میں ضروری ہے مگر خدا تعالیٰ کی راہ میں موت ہی حقیقی زندگی بخشتی ہے اور اس موت کو اختیار کئے بغیر کوئی شخص خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس موت کو اختیار کئے بغیر اسلام بھی غالب نہیں ہوسکتا۔ ہمّت کریں اور موت کے اس پیالہ کو منہ سے لگالیں تا کہ ہماری اور آپ کی موت سے اسلام کو زندگی ملے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پھر تروتازہ ہوجائے اور اس موت کو قبول کر کے ہم بھی اپنے محبوب کی گود میں ابدی زندگی کا لُطف اُٹھائیں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۸ء (الفضل ۶ نومبر ۱۹۴۸ء)

Ahmadiyyat ka Paighaam

(Urdu)
The Message of Ahmadiyyat

Ahmadiyyat ka Paighaam ['The Message of Ahmadiyyat'] was written to clarify the Ahmadiyya Muslim Community's beliefs in refutation of commonly propagated misinformation campaigns. It refutes the common allegation that Ahmadiyyat is a new religion and that its founder, Hazrat Mirza Ghulam Ahmad[as], rejected the belief in *Khatm-e-Nabuwwat*, claiming himself to be a Prophet equal in stature to the Holy Prophet Muhammad[sas]. The book also refutes the allegations that Ahmadi Muslims do not believe in the *Kalimah* and the doctrine of jihad.

Such slanders are typical last resorts of enemies who realize they have no other means to interrupt the inevitable victory of Truth. As the opponents of Islam desperately resorted to false allegations in the times of the Holy Prophet[sas], so would they resort to it in the times of the Promised Messiah[as]. Meanwhile, Ahmadiyyat continues to prosper across the globe in fulfillment of the Latter Day prophecies.

ISBN 978-1-84880-191-2
9 781848 801912